سہ ماہی مجلہ

بحث و نظر

حیدرآباد

بانی : حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مدیر : خالد سیف اللہ رحمانی

سہ ماہی مجلہ بحث ونظر حیدرآباد

رجب المرجب — رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ	اپریل — جون ۲۰۱۸ء	شمارہ نمبر : ۱۱۲/۱۲

مدیر

خالد سیف اللہ رحمانی

مجلس ادارت

- مولانا محمد عمر عابدین قاسمی مدنی
- مولانا محمد اعظم ندوی
- مولانا محمد عبید اختر رحمانی
- مولانا احمد نور قاسمی

مجلس مشاورت

- مفتی اشرف علی قاسمی
- مولانا شاہد علی قاسمی
- مولانا محمد انصار اللہ قاسمی
- مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

زرِ تعاون

اندرون ملک

ایک شمارہ:40روپے

سالانہ:150، بذریعہ رجسٹری:200

سہ سالہ:450، بذریعہ رجسٹری:550

بیرونِ ملک

ایشیائی ممالک کیلئے سالانہ:20امریکی ڈالر

یورپ، امریکہ، افریقہ کے لئے :

سالانہ:30امریکی ڈالر

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Khalid Saifullah Rahmani, Baitul Hamd, H.No:16-182/1, Quba Colony, Po:Pahadi Shareef, Hyd. A.P 500005, Ph: 9989709240 E-mail: ksrahmani@yahoo.com

چیک/ڈرافٹ پر صرف:"Khalid Saifullah" لکھیں

کمپیوٹر کتابت: محمد نصیر عالم سبیلی "العالم" اُردو کمپیوٹرس، حیدرآباد، فون نمبر:9959897621 91+

اختلاف مطالع کے مسئلہ میں حنفیہ کی ظاہر روایت
ایک تحقیقی جائزہ

مولانا محمد عبدالمالک صاحب ☆

یہ تو معلوم ہے کہ البحر الرائق اور عالمگیری میں اسی طرح الدر المختار اور اس کے حواشی میں لاعبرۃ لاختلاف المطالع کو ظاہر روایت بتایا گیا ہے؛ لیکن جہاں تک معلوم کیا جا سکا، اس حوالے کی ابتداء خانیہ کی ایک عبارت سے ہوئی، ظاہر روایت کی کتابوں اور ظاہر روایت کے مسائل کے مصادر اصلیہ میں یہ عبارت یا اس کی ہم معنی کوئی بات نہیں ملتی ہے۔

اس استفتاء میں ذرا مفصل انداز سے اسی حقیقت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی، مقصد یہ ہے کہ اگر واقعتاً یہ بات ظاہر روایت میں ہے تو وہ ظاہر روایت کی کتابوں اور مسائل ظواہر کے مصادر اصلیہ کے حوالوں سے مدلل ومزین ہو جائے اور اگر یہ ظاہر روایت میں نہیں ہے تو اس کی تصریح ہونی چاہیئے، نقل در نقل حوالوں میں تسامح ہو جانا کوئی محال بات نہیں، شرح عقود رسم المفتی میں اس کی نظائر مذکور ہیں؛ چوں کہ معاملہ اہم ہے اس لئے تکلیف دی گئی، اُمید ہے کہ توجہ فرمائیں گے۔

ہلال عید کے مسئلہ پر مقامی ضرورت سے کچھ لکھنے کی نوبت آئی تھی، اس وقت ''لاعبرۃ لاختلاف المطالع'' کو حسبِ مشہور ظاہر روایت لکھنے کے لئے حوالے کے لئے امام محمدؒ کی چھ کتابوں کی مراجعت کی تھی، (اصل میں پانچ کتابیں؛ کیوں کہ سیر صغیر تو کتاب الاصل ہی کا حصہ ہے) تو ان میں یہ مسئلہ بالکل ملا ہی نہیں، خود دیکھا، دوسروں سے بھی مدد لی، حاسوب سے بھی مدد لی؛ لیکن ظاہر روایت کی کتابوں میں اس مسئلہ کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ملا۔

☆ استاذ شعبۂ علوم الحدیث وشعبۂ افتاء: مرکز الدعوۃ الاسلامیہ، بنگلہ دیش۔

''کتاب الاصل'' کی کتاب الاستحسان: ۲/۲۴۹ طبع جدید میں درج ذیل مسئلہ سے کسی کو واہمہ ہوسکتا تھا اس لئے اس کی بھی تحقیق کی گئی، مسئلہ یہ ہے :

فإن كان فى السماء علة من سحاب فأخبره أنه رأه من خلل السحاب ، أو جاء من كان آخر فأخبره بذلك وهو ثقة ، فينبغى للمسلمين أن يصوموا بشهادته ۔

لیکن اس مسئلہ کی تفسیر سرخسیؒ نے المبسوط، ج: ۳/ ۶۴، ج: ۱۰/ ۱۶۹ میں اور قاضی خانؒ نے فتاویٰ خانیہ: ۱/ ۱۹۶ میں کی ہے، دونوں نے مکان آخر سے خارج البلد مراد لی ہے، نہ کہ مطلق مکان آخر اور یہی سیاق کلام کا مدعا ہے۔

اور قاضی خانؒ نے تو ''شرح الجامع الصغیر: ۲/ ۴۷، تحقیق: اُم القریٰ میں یہ بھی کہہ دیا ہے کہ ظاہر روایت میں خارج المصر اور داخل مصر کا فرق نہیں ہے، صاحب ''بدائع'' نے بھی یہی کہا (ج: ۲، ص: ۲۲۰-۲۲۱، مکتبۂ زکریا)، قاضی خانؒ کی عبارت یوں ہے :

فإن جاء هذا الواحد من خارج المصر فكذلك فى ظاهر الرواية لا تقبل شهادته ، وذكر الطحاوى أنها مقبولة ، لأن المطالع مختلفة والموانع خارج المصر أقل ، وكذا لو كان فى المصر على مكان مرتفع ۔

الغرض جہاں تک ہمارے تتبع وتلاش کا تعلق ہے تو ہم نے ''لاعبرۃ لاختلاف المطالع'' والی یہ بات یا اس کا ہم معنی کوئی جملہ کتب الاصول میں نہیں دیکھا ہے۔

کتب الاصول (ظاہر الروایہ) میں یہ بات نہ ہونے کے دیگر دلائل وقرائن بھی موجود ہیں، ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ظاہر روایت کے مسائل بیان کرنے والی بنیادی کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے، یا ہمیں نہیں ملا ہے، مثلاً :

(۱) مختصر الحاکم الشہید (الکافی)۔

واضح رہے کہ شرنبلالی علی الدرر میں جو کافی کے حوالہ سے لاعبرۃ لاختلاف المطالع مذکور ہے، وہ کافی حاکم شہید نہیں؛ بلکہ کافی نسفی ہے، نسفی صاحب کنز کی وفات ۷۱۰ھ کو ہوئی، یعنی قاضی خانؒ کے سو سال سے زائد عرصہ کے بعد۔

(۲) مبسوط السرخسی۔

(۳) المحیط البرہانی۔

(۴) المحیط الرضوی مخطوط (احسن العلوم کراچی میں اس کا نسخہ موجود ہے)۔

(۵) خزانۃ الأکمل (پہلے ہم نے اُم القریٰ اور رضا رامپور میں اس کے مخطوط کی مراجعت کی تھی، بعد میں تو یہ دار الکتب العلمیہ بیروت سے چھپ چکی ہے)۔

ان میں سے کسی میں ہمارے علم کے مطابق یہ عبارت نہ ظاہر روایت کے حوالے سے موجود ہے نہ نادر روایت کے حوالے سے؛ حالاں کہ یہ کتابیں کتب الاصول کے بعد مسائل الاصول کی سب سے اہم ماخذ ہیں، کافی حاکم تو کتاب الاصل امام محمد کی تلخیص ہے، مبسوط سرخسی کافی حاکم کی شرح ہے اور باقی تین کتابوں کے مقدمات میں ظاہر روایت کی کتابوں کے نام لے کر تصریح کی گئی ہے کہ ان میں ظاہر روایت کے مسائل ذکر کریں گے۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ متقدمین کے اہم متون ومختصرات اس کے تذکرہ سے بالکل خالی ہیں، مثلاً :

(۱) مختصر الحاکم الشہید۔

(۲) مختصر الطحاوی۔

(۳) مختصر الکرخی۔

(۴) مختصر القدوری۔

(۵) تحفۃ الفقہاء۔

(۶) بدایۃ المبتدی۔

(۷) المقدمۃ الغزنویۃ (بلکہ اس میں اختلاف مطالع معتبر ہونے کی بات مذکور ہے)۔

(۸) التجرید الرکنی امام ابوالفضل الکرمانیؒ (اس میں بھی اختلاف مطالع معتبر ہونے کی بات ہی ہے)۔

(۹) الحاوی القدسی (اس کا شاید متون میں شمار نہیں ہوگا؛ لیکن حاوی الفروع ہونے کے باوجود اس میں بھی ''لاعبرۃ لاختلاف المطالع'' کا تذکرہ نہیں ہے)۔

(۱۰) الفقہ النافع (ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف السمرقندی:۵۵۶ھ)۔

(۱۱) المنہاج فی مذہب الحنفیۃ (لعمر الانصاری العقیلی:۵۷۶ھ)۔

(۱۲) قاضی خان جس صدی کے ہیں اس صدی میں مدون شدہ مختصر ''تکملۃ القدوری'' حسام الدین رازی:۵۹۸ھ۔

یہ بارہ کتابیں، ان کے ساتھ جواہر الفقہ لابن صاحب الہدایہ کے ماخذ میں سے ان کتابوں کا اضافہ کریں، مختصر الجصاص، جمل الفقہ للصغانی، ارشاد المہتدی، خزانۃ الفقہ، المختصر المسعودی، الموجز للفرغانی، قاضی خان سے پہلے کے

اتنے مختصرات ومتون میں اس عبارت ''لاعبرۃ لاختلاف المطالع'' کا مذکورہ نہ ہونا اس بات کا بہت بڑا قرینہ ہے کہ یہ ظاہر روایت کا مسئلہ نہیں؛ کیوں کہ ظاہر روایت کے کسی مسئلہ سے اور اس طرح کے اہم کثیر الوقوع مسئلہ سے سارے اصحاب المتون کا غافل ہونا قابل قبول نہیں ہوسکتا ہے، ورنہ پھر اس قول کا کیا معنی رہتا ہے کہ ''**المتون موضوعة لنقل المذهب**''۔

قاضی خانؒ کے بعد کے متون میں :

(۱۳) جواہر الفقہ لابن صاحب الہدایہ (اس میں بھی اختلاف مطالع معتبر ہونے کی بات ہی ہے)۔

واضح رہے جواہر الفقہ متقدمین حنفیہ کے آٹھ متون کا مجموعہ ہے، وہ یہ ہیں: مختصر الطحاوی، مختصر الجصاص، التجرید الرکنی، خزانۃ الفقہ لابی اللیث السمرقندی، جمل الفقہ للصغانی، ارشاد المہتدی للرستغفنی، الموجز للفرغانی، المختصر المسعودی، جواہر الفقہ کے مقدمہ میں تصریح کی گئی کہ اس میں ان کتابوں کے مسائل کا استقصاء کیا گیا ہے، تو جب جواہر میں 'لاعبرۃ' نہیں ہے تو ان میں سے کسی میں بھی نہیں ہے اور اس میں جب اعتبار کرنے کی بات ہے تو مذکورہ آٹھ کتابوں سے کسی میں یہ بات ضرور موجود ہے۔

(۱۴) تحفۃ الملوک للرازی (اس میں بھی معتبر ہونے کی بات ہے)۔

(۱۵) الوقایۃ۔

(۱۶) المختصر الحاوی للبیان الشافعی للامیر بکبرس بن عبداللہ۔

(۱۷) جواہر الفقہ لطاہر بن اسلام۔

(۱۸) الوافی لصاحب الکنز۔

(۱۹) النقایۃ۔

(۲۰) الاصلاح (ابن کمال باشاہ)۔

ان بیس کتابوں میں سے کسی کتاب میں ہمیں یہ عبارت نہیں ملی کہ لاعبرۃ لاختلاف المطالع۔

جب کہ قاضی خانؒ سے پہلے کی بعض متون میں اختلاف مطالع معتبر ہونے کی تصریح ہے، جیسے: امام ابوالفضل الکرمانیؒ کی تجرید الایضاح اور المقدمۃ الغزنویہ، اسی طرح ان کے بعد کے بعض متون میں معتبر ہونے کی تصریح ہے، جن کا حوالہ آگے آرہا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ خانیہ وخلاصہ میں جو یہ عبارت مذکور ہے اور ان ہی کے اتباع میں مختار، مجمع البحرین، کنز اور ملتقی میں آگئی ہے، پھر ان کے واسطے سے پوری دنیا میں یہ بات ظاہر روایت کے نام سے مشہور ہوگئی ہے،

ہمارے علم کے مطابق اب تک کسی نے خانیہ سے پہلے کی کسی کتاب سے لاعبرۃ لاختلاف المطالع کی عبارت پیش نہیں کی کر سکے اوران سے پہلے کی کسی کتاب میں اسے ظاہر روایت کی طرف نسبت کر کے لکھنے کا تو شاید تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے ''خلاصۃ الفتاویٰ'' خانیہ کے بعد کی کتاب ہے، اس میں متعدد جگہوں میں ''فتاویٰ خانیہ'' اور قاضی خان کے حوالے موجود ہیں، صاحب خلاصہ انھیں اپنا شیخ واستاذ ہی لکھتے ہیں، صاحب خلاصہ کی سن وفات سے شبہ نہ ہونا چاہئے ؛ بلکہ خانیہ وخلاصہ دونوں کے مصنفوں کے حالات کا تفصیلی مطالعہ کرنا مناسب رہے گا اور خلاصہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت حال سامنے آ جائے گی، اب ذرا خانیہ میں اس مسئلہ کے سیاق پر نظر ڈالا جائے، خانیہ میں ہے :

> عن محمد فی النوادر : إذا صام أهل مصر شهر رمضان على غير رؤية ثمانية وعشرين يوماً رأو هلال شوال ، قالوا : إن كانوا عدوا شعبان لرؤية ثلاثين يوماً ، وغم عليهم هلال رمضان قضوا يوماً واحد ، و إن صاموا تسعة وعشرين يوماً ثم رأوا هلال شوال فلا قضاء عليهم لأنهم قد أكملوا الشهر ۔
> ولو صام أهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية وأهل بلدة أخرى تسعة وعشرين يوماً للرؤية ، فعلم من صام تسعة وعشرين يوماً فعليهم قضاء يوم ، ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الرواية ، وكذا ذكر شمس الأئمة الحلوانی رحمة الله تعالى ، وقال بضهم : يعتبر اختلاف المطالع ۔(۱)

سیاق پر غور کیا جائے تو درج ذیل باتیں سامنے آتی ہیں :

(۱) جس مسئلہ پر نوٹ لکھتے ہوئے قاضی خانؒ نے : ''لاعبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الرواية'' کا جملہ لکھا ہے وہ مسئلہ نوادر کا ہے، خود خانیہ میں ''عن محمد فی النوادر'' کہہ کر اسے سابق مسئلہ پر عطف کر کے نقل کیا ہے، یوں یہ مسئلہ نوادر کا ہونا ایک مفروغ عنہ معاملہ ہے؛ کیوں کہ :

(الف) یہ مسئلہ ظاہر روایت کی کتابوں میں نہیں ہے۔

(ب) یہ مسئلہ حاکم شہیدؒ کی ''المنتقی'' کا ہے، جس کا موضوع نادر روایات ہیں، المنتقی کا خطبہ کشف الظنون: ۲/۱۸۵۱-۱۸۵۲ میں مذکور ہے، اس میں اس کی تصریح موجود ہے، (ابن عابدینؒ کی یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ ''منتقی بھی ظاہر روایت کی کتاب ہے؛ البتہ اس میں کچھ نوادر ہیں'')۔

---

(۱) فتاویٰ خانیہ: ۱/۱۹۷، برحاشیہ ہندیہ۔

(ج) المنتقی میں یہ مسئلہ (جیسا کہ المحیط البرہانی: ۳/۳۴۱-۳۴۲ میں ہے) بشر عن ابی یوسف اور ابرہیم عن محمد کے عنوان سے مروی ہے، بشر بن الولید عن ابی یوسف رحمہا اللہ اور ابراہیم بن رستم، عن محمد رحمہا اللہ یہ دونوں سیاق سند نوادر کے ہیں، ظواہر کے نہیں، ظواہر تو امام محمد سے بطریق استفاضہ منقول ہیں اور ان کے مشہور راوی ابوحفص کبیر اور ابوسلیمان جوزجانی رحمہا اللہ ہیں۔(۱)

(د) ''عیون المسائل'' ابواللیث سمرقندی (ص:۳۸) میں یہ مسئلہ ''آمالی'' ابو یوسف سے منقول ہے، یہ بھی نوادر کی کتاب ہے۔

(ہ) ''خزانۃ الاکمل'' بھی یہ مسئلہ ''المنتقی'' کے حوالے سے منقول ہے، جس میں یہ مسئلہ نوادر سے منقول ہے۔

(و) المحیط الرضوی (ص:۱۹۱-۱۹۲ مخطوطہ) میں یہ مسئلہ: ''ذکر هشام فی نوادرہ عن محمد'' کے عنوان سے ہے۔

(ز) جصاصؒ نے ''احکام القرآن'' (آیت: ۱۸۵ کے تحت) میں جو اس مسئلہ کو مطلق معنی پر حمل کر کے اس کی زبردست تائید فرمائی ہے؛ لیکن انھوں نے بھی اسے نوادر کے راویوں کے حوالہ سے ہی نقل کیا ہے۔(۲)

(۲) الغرض اس مسئلہ کے نوادر سے ہونے میں کوئی شک نہیں، اب اس مسئلہ پر تعلیق کر کے قاضی خانؒ نے جو لکھا ہے: ''ولاعبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایۃ''۔

اس کا کیا مفہوم ہوگا؟ ظاہر ہے کہ معلق علیہ مسئلہ تو ظاہر روایت کا ہے ہی نہیں اور تعلیق کی یہ عبارت (ولاعبرۃ......) بھی ظاہر روایت کی کتابوں میں نہیں ہے، تو اس عبارت کا مطلب کیا ہوگا؟

اگر غور کیا جائے تو ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا کہ اس عبارت کا معنی یہ ہے: ''مذکورہ نادر روایت (۳۰ والوں کی وجہ سے ۲۹ والوں کو ایک روزہ قضاء کرنے کا حکم دینے) کا ظاہر یہ ہے کہ اس حکم میں قریب و بعید کا فرق نہیں، مطلع متحد ہو یا مختلف حکم ایک ہی ہے، گویا وہ کہنا چاہتے ہیں:

ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر هذه الروایة التی نقلتها من

(۱) المبسوط سرخسی: ۳۰/۲۴۴۔

(۲) واضح رہے کہ جصاص کی عبارت میں من غیر خلاف بین اصحابنا کا معنی یہ ہے کہ یہ مسئلہ (نوادر میں) امام ابو یوسف اور امام سے منقول ہے اور ہمارے دیگر اصحاب سے اس کا خلاف منقول نہیں، یہ معنی نہیں کہ اس مسئلہ پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے، جیسا کہ الکیا طبری کو احکام القرآن: ۱/۷۰ (آیت: ۱۸۵) میں یہ اشتباہ پیش آیا ہے۔

النوادر فإنها حكمت بالقضاء من غير تفصيل بين القريب والبعيد ۔ (۱)

بس انھوں نے ''هذه'' لکھنے کے بجائے ''الرواية'' میں موجو الف لام عہد خارجی یا عہد ذہنی پر اکتفاء کیا ہے، یہ ان کے ذہن میں نہیں آیا ہوگا کہ قارئین کا ذہن ظاہر عبارت سے اصطلاحی معنی کی طرف چلا جائے گا، ورنہ وہ وضاحت فرمادیتے۔

قاضی خانؒ کو یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان سے پہلے کے فقہاء اور ان کے معاصرین فقہاء نے نوادر کے اس مسئلہ کا مصداق اس صورت کو قرار دیا ہے؛ جب کہ دونوں شہروں میں تقارب ہو اور مطلع متحد ہو، قاضی خانؒ کو ان فقہاء کی اس تفصیل سے شاید اتفاق نہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس رویت کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ مطالع کے اختلاف کا اعتبار نہیں۔

یوں یہ بات کوئی نئی چیز نہیں، کوئی مسئلہ ظاہر روایت میں مذکور نہیں، مگر ظاہر روایت کے کسی مسئلہ سے بعض فقیہ نے استنباط کر کے اسے ظاہر روایت کہہ دیا، اس کی نظیریں کم نہیں، البحر الرائق اور در المختار پر جن کی وسیع اور غائر نظر ہے ان سے یہ بات مخفی نہیں، ملاحظہ ہو البحر الرائق کا باب الاعتکاف (نفل اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے کہ نہیں یہ مسئلہ) تو ظاہر الروایہ کا وہ مفہوم اگر واقعی ہے تو دو ایک جگہ اس کا یہ مفہوم کیوں محال ہوگا، جس کا خانیہ کا سیاق متقاضی ہے، یعنی ظاہر الروایہ المذکورة المنقولة عن النوادر۔

اگر یہ تاویل بعید ہے تو پھر یہ تسامح ہے

اگر یہ تاویل بعید معلوم ہو تو پھر یہ قاضی خانؒ کا تسامح ہے، جس پر توارد ہوتا رہا اور ہو رہا ہے، ابن نجیمؒ اور ابن عابدینؒ سمیت ہمارے بہت سے متاخرین اکابر فقہاء اپنی جلالت قدر کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے ذخیرۂ کتب میں ظاہر روایت کی کتابیں نہیں تھیں، ابن نجیم اور ابن عابدین نے تو متعدد جگہوں میں اپنے مصادر کی فہرست بھی ذکر کی ہے؛ لیکن ان میں ظاہر روایت کی کتابوں کا تذکرہ نہیں ہے، خود ان کی عبارتوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظاہر روایت کی باتیں بالواسطہ نقل کرتے ہیں۔

(۳) قاضی خانؒ کی بات: ''وكذا ذكر شمس الأئمة الحلواني'' پر بھی غور کیا جائے، جو خلاصہ میں ان الفاظ سے ہے: ''وبه كان يفتي شمس الأئمة الحلواني'' آخر ظاہر روایت کے لئے یہ کہنے کی ضرورت کیوں ہے کہ حلوانی کا فتویٰ اس کے مطابق تھا؟ یا ابو اللیث کا فتویٰ اس کے مطابق تھا، سوال یہ ہے کہ پھر ان کے

(۱) خانیہ کے سیاق کلام میں یہ تاویل بہت ہی محتمل ہے؛ لیکن موصلی نے الاختیار: ۱/۴۰۵، تحقیق شعیب میں عبارت کا سیاق بالکل بدل دیا ہے، اس میں یہ تاویل نہیں چلے گی؛ لیکن وہ سیاق معلول ہے۔

معاصرین دوسرے اکابر کا فتویٰ کس کے مطابق تھا؟ اس کا جواب اس استفتاء میں مذکور حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ وہ اختلاف مطالع معتبر ہونے ہی کے قائل تھے۔

یہ کیسی ظاہر روایت ہے، جو اکابر فقہاء کو معلوم ہی نہیں؟

سوچنا چاہئے کہ یہ کیسی ظاہر روایت ہے، جو نہ چھ کتابوں میں مذکور ہے اور نہ ان چھ کتابوں کے مسائل کے لئے تصنیف کردہ بنیادی کتابوں میں موجود ہے۔

یہ احتمال کہ شاید کتب ستہ کے بعض مخطوطات میں اس کا تذکرہ ہو، اس لئے بعید ہے کہ وہ مخطوطات کیا طحاوی، کرخی، جصاص، قدوری، حاکم شہید، شمس الائمہ سرخسی، رضی الدین سرخسی، یوسف بن علی الجرجانی، سمرقندی، کاسانی اور مرغینانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس بھی نہیں تھے، الجرجانی (م: ۳۹۸ھ) سے لے کر صاحب ہدایہ (م: ۵۹۳ھ) اور صاحب محیط برہانی (م: ۶۱۶ھ) تک فقہاء کی اس بڑی جماعت کے پاس بھی نہیں تھے، جنھوں نے قریب وبعید کا فرق کیا ہے، اگر ظاہر روایت میں لاعبرۃ والی بات موجود ہے تو اتنے بڑے بڑے حضرات کیسے اس سے بے خبر ہوتے اور بغیر کسی معذرت کے اس کے خلاف کیسے فتویٰ دیئے دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اختلاف روایات اور اختلاف نسخ کا حوالہ دینا درست نہیں؛ کیوں کہ اتنے دلائل اور قرائن یہاں موجود ہیں، جن سے مجموعی طور پر یہ یقین حاصل ہوجاتا ہے کہ ''لاعبرۃ'' والی عبارت یا اس کی ہم معنی کوئی بات کتب ظاہر روایت کے کسی بھی متلقی بالقبول روایت یا نسخہ موجود نہیں، تفصیل کے لئے براہ کرم ''تتمہ استفتاء متعلقہ اختلاف مطالع'' مطالعہ کرنے کی درخواست ہے، جو اسی استفتاء کے ساتھ منضم ہے۔

قاضی خانؒ سے پہلے کے اکابر کیا کہتے تھے؟

قاضی خانؒ سے پہلے کے اکابر فقہاء نے تو نادر روایت کے اس مسئلہ (تیس والوں کی وجہ سے ۲۹ والوں کو ایک روزہ کی قضاء کرنا) کی تفسیر کی ہے :

وهذا إذا كان بين البلدين تقارب ، بحيث لا تختلف المطالع ،
فإن كان يختلف لا يلزم أحد البلدين حكم الآخر ـ (۱)

(۱) ''بحوث'' اور ''انعام الباری'' میں حضرت دامت برکاتہم کی یہ اعلیٰ تحقیق سر آنکھوں پر کہ صرف بعد اختلاف مطالع کو مستلزم نہیں اور صرف قرب اتحاد مطالع کو مستلزم نہیں؛ لیکن یہ فلکی اختلاف مطالعہ کی بات ہے، اغلب یہ ہے کہ اکثر فقہاء نے عرفی اختلاف مطالع ہی کا تذکرہ کیا ہے، عرفی اختلاف مطالع کی تعریف شافعیہ کی کتاب ''الانوار'' میں ہے، لکھا ہے: ''وهو أن يتباعد البلدان بحيث لو رؤي في أحدهما لم ير في الآخر غالباً'' (ص: ۳۰۶، دار الضیاء کویت: ۱۴۲۷ھ) اس سے بھی واضح سرخسی شافعی (م: ۴۹۴ھ) کی عبارت ہے، جو شرح المہذب: ۴۲۸/۷-۴۲۹ میں منقول ہے: ''وضابط القرب أن يكون الغالب أنه إذا أبصره هؤلاء لا يخفى عليهم إلا لعارض''۔
←

نادر روایت کے مذکورہ مسئلہ کی یہ تفسیر درج ذیل فقہاء نے کی ہے :

(۱) امام قدوریؒ (م: ۴۲۸ھ): شرح مختصر الکرخی میں (مخطوطہ مکتبہ فیض اللہ ومصورۂ اُم القریٰ)، قدوریؒ کی عبارت المحیط البرہانی: ۳/۳۴۱-۳۴۲ اور تاتارخانیہ: ۳/۳۶۵ میں منقول ہے، (واضح رہے کہ قدوریؒ کی ''التجرید'' میں یہ مسئلہ نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ شافعیہ وحنفیہ کے مابین متفق علیہ ہے)۔

(۲) امام احسام الصدر الشہیدؒ (م: ۵۳۶ھ): الفتاویٰ الحسامیہ سے ان کی عبارت الاختیار شرح المختار: ۱/۴۰۵ میں منقول ہے۔

(۳) امام نجم الدین یوسف بن احمد الخاصی (تلمیذ الصدر الشہید): ان کی کتاب الفتاویٰ الکبریٰ (جس کی بنیاد ان کے استاذ امام حسام الدین شہید ہی کی الفتاویٰ ہے) مکتبہ رضا رامپور ہندوستان میں مخطوط ہے، اس کے ص:۱۶، کتاب الصوم کی الفصل الخامس میں مذکورہ مسئلہ پر یہ نوٹ لکھا ہے :

هذا إذا كان بين البلدتين تقارب بحيث لا تختلف المطالع ،
وإن كان تختلف لا يلزم أهل أحد من البلدتين ، حكم الآخر ـ

(۴) امام عبدالرشید الولوالجی (۴۶۷ھ-۵۴۰ھ): انھوں نے ''الفتاویٰ الولوالجیۃ'' میں یہی بات لکھی، (ج:۱، ص:۲۳۶، ط: دارالایمان سہارنپور، عکسی طبع از طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

(۵) امام رضی الدین السرخسی (م: ۵۴۴ھ): نوادر ہشام کے والے سے مذکورہ مسئلہ نقل کر کے اپنی کتاب المحیط الرضوی (دوسرا نام: محیط السرخسی) میں نوٹ لکھا ہے :

وهذا إذا كان بين البلدين بعد بحيث لا يختلف فيه مطلع
الهلال ، لأن الرؤية لا تفاوت ولا يختلف ، فليزم أحدهما
حكم الآخر ، و إن كان بينهما مسافة مزيدة بحيث يختلف
فيها المطالع لم يلزم أحدهما حكم الآخر ـ

← اسے یوں بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ جن مقامات میں اپنی اپنی رؤیت پر عمل کرنے کے باوجود تاریخ متحد رہتی ہے، وہ متحد المطالع ہیں اور جن میں عموماً تاریخ مختلف رہتی ہے، وہ مختلف المطالع ہیں، (رؤیت ہلال، مولانا برہان الدین سنبھلی، تجویز: مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، ص:۱۵۹-۱۶۰، مع ملاحظہ حاشیہ)۔

تاہم قطع نظر اس سے کہ ان فقہاء کی بات الفرض تسامح پر مبنی ہو؛ لیکن سوال یہ ہے کہ ظاہر روایت میں اگر اختلاف مطالع کو غیر معتبر کہا گیا ہو تو اتنے سارے اکابر فقہاء کا فتویٰ جو زماناً اور ان میں سے بہت سے حضرات رتبتاً قاضی خانؒ سے مقدم ہیں، کیسے اختلاف مطالع کو معتبر قرار دیا ہے، مانا کہ اختلاف مطالع کا مدار کیا ہے، یہ سمجھنے میں ان سے چوک ہوگئی؛ لیکن کونسی بات ظاہر روایت میں ہے اور کونسی نہیں ہے، یہ معلوم کرنے میں بھی ان متقدمین سے اتنی عام غفلت ہوگئی!

اس کا مخطوطہ احسن العلوم گلشن اقبال کراچی میں محفوظ ہے، ملاحظہ ہو، ص:۱۹۱-۱۹۲، ایک نسخہ مکتبۂ فیض اللہ استنبول میں ہے، اس کی بھی مراجعت کی گئی ہے، اس کا نسخہ شبکہ میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

(٦) امام جمال الدین الیزدی المطہر بن حسین: محمد بن عبدالرشید رکن الدین الکرمانیؒ (م:۵٦۵ھ) کے خاص استاذ ہیں، کرمانی نے ''جواہر الفتاویٰ'' کی ہر کتاب کے الباب الثانی میں ان کے فتاویٰ ذکر کئے ہیں، جواہر الفتاویٰ کا مخطوطہ جامعۃ الملک سعود ریاض میں محفوظ ہے، شبکہ میں اس کتب خانے کے مخطوطات پڑھے جا سکتے ہیں۔

اس کتاب میں جمال الدین یزدی سے بھی نوادر کے اس مسئلہ پر یہی تعلیق نقل کی گئی ہے، ان کی پوری عبارت آگے آ رہی ہے۔

(۷) العلاء العالم ابوالفتح الاسمندی (۴۸۸ھ-۵۵۲ھ): شرح عیون المسائل (ق:۳۴،أ،ب) سے ان کی عبارت ''التجنیس والمزید'' کے حاشیہ میں محقق کتاب نے نقل کی ہے، وہی بات جو رضی الدین سرخسی وغیرہ سمیت دوسروں نے لکھی ہے۔

(۸) امام ابوالحسن المرغینانی صاحب الہدایہ (م:۵۹۸ھ): انھوں نے التجنیس والمزید: ۲/۴۲۳ اور مختارات النوازل: ۱/۷۵۴ھ میں اس مسئلہ پر یہی نوٹ لکھا ہے اور اس نوٹ کو التجنیس والمزید: ۲/۴۲۳ میں پھر اعادہ کیا ہے۔

(۹) رکن الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن محمد الکرمانی (م:۵۴۳ھ): ان کی کتاب ''التجرید'' کا حوالہ تو صاحب ''خلاصہ'' نے بھی دیا ہے، جامعہ اُم القریٰ میں ۱۴۳۲ھ کو اس کی تحقیق کا کام ہوا ہے، محقق نسخہ کے (ص:۳۴۰، مخطوط:۱۴،أ/أ) میں لکھا ہے :

> ولو صام أهل مصر ثلاثين يوما للرؤية ، وصام أهل بلد تسعة وعشرين يوما للرؤية فعلى هؤلاء قضاء يوم واحد ، وهذا إذا كان بين البلدين تقارب لا تختلف المطالع ، فإن كان يختلف لم يلزم أحد البلدين حكم الآخر ـ

واضح رہے کہ ملا علی قاریؒ نے ''شرح اللباب'' میں صاحب التجرید کی طرف اختلاف مطالع معتبر نہ ہونے کی بات منسوب کی ہے، جو قابل اعتراض ہے، التجرید الرکنی کی عبارت ابھی مذکور ہوئی، اور تجرید القدوری میں یہ مسئلہ ہے نہیں؛ جب کہ امام قدوریؒ کا مسلک شرح مختصر الکرخی کے حوالہ سے گذر چکا ہے۔

(۱۰) ملک العلماء الکاسانیؒ (م:۵۸۷ھ): بدائع الصنائع: ۲/۲۲۴ میں ان کی وہ معروف بات اسی

نادر روایت کے مسئلہ پر تعلیق کے طور پر ہی ہے، جسے عام طور پر صرف کا سانیؒ اور زیلعی کا مسلک قرار دیا جاتا ہے اور جس کی ''احسن الفتاویٰ'' میں بہت بعید ایک تاویل کی گئی ہے، گویا حنفی مذہب میں اس مسلک کے قائل اب صرف زیلعی ہی ہیں۔

بہر حال یہ حضرات تو وہ ہیں، جنھوں نے نادر روایت کے وہ مسئلہ جس پر نوٹ لکھتے ہوئے قاضی خانؒ نے ''لاعبرة لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایة'' والی بات لکھی ہے، اس پر ان حضرات نے یہ تعلیق کی ہے کہ یہ حکم اتحاد مطالع کی صورت میں ہے، اختلاف مطالع کی صورت میں حکم الگ ہے، گویا ان کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار ہے اور قضاء کا وہ حکم جو نوادر میں مذکور ہے، وہ ان حضرات کے نزدیک مطلق نہیں؛ بلکہ بلاد متقاربہ کے ساتھ (یا ایک ہی عرفی مطلع) کے ساتھ خاص ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی اکابر فقہاء ہیں، جنھوں نے اختلاف مطالع کے معتبر ہونے کا مسئلہ ذکر کیا ہے، چاہے نادر روایت پر تعلیق کرتے ہوئے ذکر کیا ہو یا مستقلاً ذکر کیا ہو، مثلاً :

(۱۱) امام ابوعبداللہ الفقیہ الجرجانی (۳۹۸ھ): امام قدوری کے استاذ اور امام جصاص رازیؒ کے شاگرد، العرف الشذی: ۱/۱۴۹، مع ترمذی اور معارف السنن: ۵/۳۳۷، میں لکھا ہے کہ الجرجانی کا وہی مسلک تھا جو زیلعی شارح الکنز کا ہے، عرب عالم شیخ عبداللہ بن حمیدؒ نے بھی ''تبیان الادلة فی اثبات الأهلة'' میں یہی کہا ہے، انھوں نے لکھا ہے :

> وقال الزيلعي شارح الكنز : إن عدم عبرة اختلاف المطالع إنما هو في البلاد المتقاربة لا النائية ، وقال كذلك في تجريد القدوري ، وقال به الجرجاني ۔ (۱)

ان حضرات نے جرجانی کا مسلک کس کتاب سے نقل کیا ہے مجھے معلوم نہیں، واضح رہے کہ جرجانی صاحب خزانة الاکمل بظاہر یہاں مراد نہیں؛ کیوں کہ ان کی کتاب میں ہمارے علم کے مطابق یہ مسئلہ نفیاً و اثباتاً موجود نہیں ہے، انھوں نے تو صرف ''المنتقی'' کے حوالے سے نوادر کے اس مسئلہ کو نقل کر دینے پر ہی اکتفاء کیا ہے۔

البتہ العرف الشذی اور تبیان میں جو ''تجرید القدوری'' لکھا، یہ بظاہر تسامح ہے، ''خلاصة الفتاویٰ'' میں جس تجرید کا ذکر اختلاف مطالع معتبر ہونے کے بارے میں آیا ہے وہ ''التجرید الرکنی'' ہے نہ کہ ''تجرید القدوری'' جس کا موضوع ہے حنفیہ اور شافعیہ کے مابین مختلف فیہ مسائل کی تحقیق و تنقیح؛ لیکن اس مسئلہ میں شافعیہ اور حنفیہ

(۱) تبیان الادلة: ۱۵۔

دونوں کا راجح اور اکثری مسلک ایک ہی ہے، اس لئے یہ مسئلہ تجرید القدوری کا موضوع نہیں ہے، ''التجرید الرکنی'' کا حوالہ گذر چکا ہے۔

(۱۲) ابوابراہیم اسماعیل بن احمد الصفار الشہید (م:۴۶۱ھ): ''فتاویٰ ماوراء النہر'' کے حوالے سے امام ابوبکر الحصیری (م:۵۰۰ھ) شاگرد شمس الائمہ سرخسیؒ نے اپنی متلقی بالقبول کتاب ''الحاوی فی الفتاویٰ'' میں نقل کیا ہے :

وسئل الفقيه أبو إبراهيم : بلدة رأوا الهلال يوم الأربعاء ، وفي بلدة يوم الثلاثاء ، قال : يحكم كل أهل بلدة بما رأو ، ولا ينظر إلى ما رأوه أهل بلدة أخرى ، وعن ابن عباس أنه سئل عن هذا ، فقال : لهم ما لهم ، ولنا مالنا ، وعن عائشة رضي الله عنها قالت : فطر كل بلدة يوم يفطر جماعتهم وأضحى كل بلدة يوم يضحي جماعتهم ۔

الحاوی کے کئی مخطوطات مشرق ومغرب میں موجود ہیں، ہمارے پاس مکتبہ فیض اللہ آفندی استنبول کے نسخے کی تصویر موجود ہے، الصفار کا یہ فتویٰ ''الحاوی'' کے حوالہ سے صاحب ہدایہ نے ''التجنيس والمزيد'': ۴۳۲-۵۳۱/۲ میں نقل کیا اور اس پر یہ نوٹ لکھا ہے :

وهذا إشارة إلى ما ذكرنا أنه لا يلزمهم حكم قاضي بلدة أخرى ، إلا أن يمضي قاضي بلدتهم قضاء حكم قاضي بلدة أخرى ، وهذا إذا تقاربت مطالع البلدتين ، أما إذا تباعدت ليس للثاني أن يمضي قضاء الاول في أهل مصره ، مطالع سمرقند وبخاري قريب ، فيمضي قاضي احدهما قضاء قاض أخرى۔

لیکن خود صاحب حاویؒ نے صفارؒ کے فتویٰ کو بظاہر مطلق سمجھا ہے کہ اس میں تقارب کی صورت میں بھی ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر میں معتبر نہ ہونے کا فتویٰ دیا گیا، اس لئے انھوں نے صفارؒ کے فتویٰ پر نوٹ لکھا ہے :

قال مولانا : عليهم قضاء يوم آخر ، سئل عن أهل بلدة رأوا الهلال في بلدتهم ، هل يحكم برؤيتهم في بلد آخر ، قال : بلى يحكم ، لأنه روى مثله في المنتقى ۔

یہ مولانا کون ہیں؟ سیاق وسباق پر غور کر کے پتہ نہیں لگایا جا سکا، خیر میرا مقصد یہ ہے کہ صفارؒ جیسے قدیم وعظیم فقیہ نے بھی اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے اور حصیریؒ جیسے فقیہ ومحدث کو بھی اس کے خلاف المنتقی کی وہ نادر روایت ہی معلوم ہے۔

(۱۳) شمس الائمہ محمود الاوزجندی (جد قاضی خانؒ): البحر الرائق: ۴/۲۱۶، کتاب الایمان میں ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد البخاری (م:۶۱۹ھ) کی الفوائد یا فتاویٰ ظہیریہ سے منقول ہے :

سئل الأوزجندی عمن قال لصاحب الدین : إن لم أقض حقک یوم العید فکذا ، فجاء یوم العید إلا أن قاضی هذه البلدة لم یجعله عیدا ولم یصل فیه صلاة العید لدلیل لاح عنده وقاضی بلدة أخری جعله عیدا ، قال : إذا حکم قاضی بلدة بکونه عیدا یلزم ذٰلک أهل بلدة أخری إذا لم تختلف المطالع ، کما فی الحکم بالرمضانیة ۔

اوزجندیؒ کی کتاب الفوائد کے حوالہ سے یہ مسئلہ خلاصۃ الفتاویٰ: ۲/۳۱۷ میں بھی منقول ہے، کتاب کا نام لئے بغیر اوزجندیؒ کے حوالہ سے المحیط البرہانی: ۶/۲۹۳، المحیط کے حوالے سے تاتارخانیہ: ۶/۲۳۸ میں اور ہندیہ: ۲/۱۳۸ میں مذکور ہے، اسی طرح اوزجندیؒ کے حوالہ کے بغیر فتاویٰ بزازیہ برحاشیہ ہندیہ: ۴/۳۲۹-۳۳۰ میں بھی مذکور ہے۔

(۱۴) مجد الشریعہ سلیمان بن حسن الکرمانی قاضی محمدؒ: جواہر الفتاویٰ، کتاب الصوم، الباب الخامس میں ہے :

أهل بلدة عیدوا یوم الاثنین وأهل بلد آخر عیدوا یوم الثلاثاء لا یجب علیهم قضاء یوم ، أهل بلد رأوا هلال رمضان و أعلموا أهل البلد الآخر بذلک وهم لم یروا ، فهذا علی وجهین ، إن کان المطلع فی حقهما متحدا یلزم کل واحد منهما حکم الآخر ، فإذا أعلمهم عدلان منهم یلزمهم حکم الصوم والفطر ، و إن کان بین البلدتین مسافة یختلف المطالع فی حقهم فلا یلزم واحدا حکم الآخر ۔

واضح رہے کہ جواہر الفتاویٰ کے ہر کتاب کا باب خامس مجد الشریعہؒ کے فتاویٰ کے لئے مختص ہے۔

(۱۵) رکن الدین محمد بن عبد الرشید الکرمانی (م:۵۶۵ھ): یہی بزرگ صاحب جواہر الفتاویٰ ہیں، کفویؒ کی کتاب اعلام الاخیار سے مخطوطہ کے سرورق میں نقل کیا گیا ہے :

رکن الملة والدین بهاء الإسلام والمسلمین أبو بکر محمد بن

أبی المفاخر عبد الرشید الکرمانی ، صنف جواہر الفتاویٰ فی سنة سبع وخمسین وخمس مائة ، وله کتاب ''غرر المعانی فی فتاویٰ أبی الفضل الکرمانی'' ۔

کفویؒ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے :

کتاب جواہر الفتاویٰ من مشاہیر کتب الفتاویٰ الذی رتبه الصدر السعید رکن الدین الکرمانی ۔

ردالمحتار میں اختلاف مطالع کی بحث میں قہستانیؒ کے واسطے سے اس کتاب کا حوالہ بھی آیا ہے؛ لیکن اتنے اختصارمخل کے ساتھ کہ اصل مفہوم کا اخذ کرنا ہی مشکل ہے ۔

رکن الدین کرمانیؒ نے کتاب الصوم کے کئی بابوں میں اس مسئلہ پر بحث کی ہے، ابھی باب خامس کے حوالے سے ایک عبارت گذری ہے، باب ثالث (جو عطاء بن حمزہ السعدی کے فتاویٰ کے لئے مختص ہے اس) میں لکھا ہے :

لو شہد شاہدان عند قاضی مصر (ما) أہل الہلال علی أن قاضی مصر کذا شہد شاہدان عندہ برؤیة الہلال وقضی به واستجمع شرائط صحة الدعوی ، فإن القاضی یقضی بہذا ۔

یہ نقل کرکے کرمانیؒ نے لکھا ہے :

ہکذا ذکر ، وہذا إذا کان بین البلدتین (تقارب) لا یختلف المطالع ، بحیث یلزم أحدہما حکم الآخر ۔

جواہر کتاب الصوم باب ثانی (جو جمال الدین یزدیؒ کے فتاویٰ کے لئے مختص ہے) میں کرمانیؒ نے لکھا ہے :

لو صام أہل بلدة تسعة وعشرین یوما وأہل بلدة ثلاثین ، إن کان یختلف المطالع لا یلزم احدیہما حکم الآخر ،و إن کان لا یختلف المطالع یلزم ، قال شیخنا وسیدنا جمال الدین : لم یذکروا فی ذلک حدا ، بل أطلقوا ، وأنا أقول : یجوز أن یعتبر فیه ما یعتبر فی الغیبة المنقطعة فی حق الولی ، قلت له : تحدیدک فی الغیبة المنقطعة لا یوجب زیادة فی البیان ، فإنہم اختلفوا فیہا ، قال : مالا یصل القوافل فی السنة غالباً إلا مرة ،

وأقله مسيرة شهر ، ألا يرى إلى قصة سليمان بن داود عليهما السلام : ولسليمان الريح غدوها شهر ورواحها شهر ، وكان انتقاله من إقليم إلى إقليم ، وقدره بشهر ، فعرف أن بين الإقليمين لا يكون أقل من شهر ، ولا يمكن الاعتماد على ما يقول المنجمة من زيادة الدرجة في العرض والطول فلا يعتبر ۔

جمال الدین یزدیؒ کی عبارت کا آخری مقطع بہت ہی قابل توجہ ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین فقہاء حسابی اور فلکی اختلاف مطالع سے بحث نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ وہ عرفی اختلاف مطالع سے بحث کرتے ہیں، اگرچہ مسئلہ غیر منصوص علیہ ہونے کی وجہ سے اس کا کوئی متعین اور متفقہ معیار وہ پیش نہ کرسکے، جس طرح ماء کثیر، عمل کثیر، مقدار جماعت جمعہ، معیار مصر، جیسے اہم مسائل میں یہی پیش آیا، ضمناً عرض یہ ہے کہ جو بات جمال الدین یزدیؒ نے لکھی ہے وہ بات ان سے پہلے امام الحرمینؒ نے بھی لکھی ہے :

وذكر الأصحاب : أن البعد الذي ذكرناه هو مسافة القصر ، ولو اعتبر مسافة يظهر في مثلها تفاوت المناظر في الاستهلال لكان متجها في المعنى ، ولكن لا قائل به ۔

خیر بات تو چل رہی تھی ، اس پر کہ قاضی خانؒ سے پہلے کتنے اکابر فقہاء نے قریب وبعید کا فرق کیا ہے اور انھوں نے مزعومہ ظاہر روایت کی طرف سرے سے کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، مزید دیکھیں :

(۱۶) سراج الدین علی ابن محمد الاوشی (م:۵۶۹ھ): ان کی کتاب ''الفتاویٰ السراجیہ'' چھپی ہوئی ہے، ملاحظہ ہو، ص:۱۶۹، دار العلوم زکریا جنوبی افریقہ۔

(۱۷) نجم الدین النسفی (۵۳۷ھ): ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے اگرچہ کوئی صریح عبارت نہیں ملی؛ لیکن المحیط البرہانی: ۳/۳۴۶ میں ان کا ایک فتویٰ نقل کرکے یہ نوٹ لکھا گیا :

وكأنه مال إلى أن حكم إحدى البلدتين لا يلزم البلدة الأخرى أصلاً أو عند اختلاف المطالع ، وعلم أن المطالع مختلفة ، إلا أن تلك السنة مختلفة ، وقد مضى بقول البعض ، فارتفع الخلاف ، فلم يتضح لنا وجه جواب نجم الدين ۔

قوام الدین کاکیؒ نے معراج الدرایہ شرح الہدایہ اور ابن عبد العالؒ نے اپنی فتاویٰ میں جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ نجم الدین نسفیؒ کا مذکورہ فتویٰ اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک پر متفرع ہے۔

(۱۸) امام احمد بن محمد بن محمود الغزنوی (م: ۵۹۳ھ کے بعد): انھوں نے لکھا ہے :

هذا إذا لم يكن بين البلدتين تفاوت يختلف فيه المطالع ، فإن كانت يختلف فيه المطالع لم يلزم أحد البلدتين حكم الآخر ـ (۱)

یہ حضرات تو قاضی خانؒ سے پہلے کے ہیں یا ان کے معاصر ہیں، ان کے بعد بھی معاملہ ایسا نہیں کہ ہر ایک ان کی اس عبارت کے ظاہر سے متاثر ہو گئے؛ بلکہ متعدد بڑوں نے حقیقت شناسی سے کام لیا ہے، مثلاً :

(۱۹) برہان الدین محمود البخاری (۵۵۱ھ-۶۱۶ھ): المحیط البرہانی میں انھوں نے مسئلہ کا بیان شروع ہی کیا ہے یہ کہہ کر کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، ظاہر روایت کا کچھ بھی نہیں ذکر کیا، لکھا ہے :

أهل بلدة إذا رأوا الهلال هل يلزم ذلک فی حق أهل بلدة أخری ؟ اختلف المشايخ فيه ، بعضهم قالوا : لا يلزم ذلک به ، و إنما المعتبر فی حق كل بلدة رؤيتهم ، وبنحوه ورد الأثر عن ابن عباس رضی الله عنه ، وفی ''المنتقی'' بشر عن أبي يوسف وإبراهيم عن محمد –رحمهم الله– إذا صام أهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية ، وصام أهل بلدة تسعة وعشرين يوماً للرؤية ، فعليهم قضاء يوم ، وفی '' القدوری'' إذا كان بين البلدتين تفاوت لا تختلف المطالع لزم حكم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخری ، فأما إذا كان تفاوت تختلف المطالع فيه لم يلزم إحدى البلدتين حكم البلدة الأخری ، وذكر شمس الأئمة الحلوانی : أن الصحيح من مذهب أصحابنا رحمهم الله أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخری يلزمهم حكم أهل هذه البلدة ـ (۲)

یہ تو صاف ہے کہ صاحب محیط خانیہ کی عبارت کا منشا سمجھ گئے، اس لئے وہ اس سے متاثر نہ ہوئے، پھر وہ عموماً اصل کی طرف مراجعت کر کے لکھتے ہیں، اس لئے ان پر خانیہ کا تسامح یا ابہام اثر نہ کر سکا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

---

(۱) المقدمة فی العبادات علی مذهب الامام الاعظم، المقدمة الغزنوية، ورق: ۱۲۹-۱۳۰ا فصل فی مسائل متفرقة من كتاب الصوم۔

(۲) المحیط البرہانی: ۳/۳۴۱-۳۴۲۔

وہ بھی سابق سترہ یا اٹھارہ حضرات کی طرح اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں، اس لئے انھوں نے نوادر کی روایت کے فوراً بعد قدوریؒ کی عبارت لائی ہے اور شمس الائمہ حلوائیؒ کی ''شرح الصوم'' ان کے سامنے ہے، اس لئے وہ ان کی اصل عبارت نقل کر سکے، ان کی عبارت کا تعلق نقل رؤیت کی شرط کے ساتھ ہے، یعنی استفاضہ وتحقق پائے جائیں تو دوسری جگہ رؤیت کا حکم منتقل ہوگا؛ لیکن کتنے دور تک؟ وہ قدوریؒ کی عبارت میں گذری ہے۔

خلاصہ میں جو حلوائیؒ کے حوالہ سے مغرب ومشرق والا جزئیہ ہے، اس کا ماخذ اور پورا سیاق وسباق تلاش کرنا چاہئے، افسوس کہ (فتح القدیر: ۲/ ۳۱۳، فصل فی رؤیت الہلال، ط: دارالفکر) میں حلوائیؒ کی طرف منسوب اس شخصی بات کو بھی ظاہر المذہب لکھ دیا گیا؛ حالاں کہ خلاصہ میں اسے صرف حلوائیؒ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

واضح رہے کہ ''الاختیار'' میں ''شمس الائمہ الحلوانی'' محرف ہوکر ''شمس الائمہ السرخسی'' بن گیا ہے، سرخسیؒ کا خانیہ والے مسلک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ بدرالدین عینیؒ نے تو شرح الکنز میں ان کی طرف اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کی نسبت کی ہے۔

(۲۰) ظہیرالدین ابوبکر محمد البخاری (م: ۶۱۹ھ): ان کی کتاب الفوائد الظہیریہ کی عبارت البحر الرائق کے حوالے سے گذر چکی ہے، الفتاوىٰ التاتارخانیہ: ۳/ ۳۶۵ میں بھی اس کی تائید میں ان کا حوالہ موجود ہے؛ البتہ بعد میں معلوم ہوا کہ جامع المضمرات (مخطوط) کتاب الصوم میں ظہیرالدینؒ کی نقل کردہ عبارت کے شروع میں نادر روایت کے اس مسئلہ کا تذکرہ اور ''لاعبرة لاختلاف المطالع'' کی نسبت ظاہر روایت کی طرف موجود ہے؛ لیکن بات ختم کی ہے، اس بات پر: ''عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه يعتبر فی حق كل بلدة رؤية أهل ذلک البلد'' جامع المضمرات میں اس مسئلہ سے متعلق المحیط البرہانی میں جو کچھ ہے، سب نقل کیا گیا ہے، ضمناً عرض ہے قہستانیؒ نے جامع الرموز میں مضمرات کی طرف اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کو منسوب کیا ہے۔

(۲۱) شیخ نظام الدین ابن صاحب الہدایہ: انھوں نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے :

> ولو صام أهل بلدة ثلاثين يوماً للرؤية وأهل بلدة تسعة وعشرين يوماً للرؤية ، فعلى هولاء قضاء يوم ، وهذا إذا كان بين البلدتين تقارب لا تختلف المطالع ، فإن كان يختلف المطالع لم يلزم أهل بلدة حكم الأخرى ـ

(۲۲) زین الدین محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی (م: ۶۶۶ھ کے بعد): ان کی کتاب تحفۃ الملوک ۱۴۳۶ھ کو دارالبشائر الاسلامیہ سے چھپی، اس میں لکھا ہے :

ولا يلزم أحد المصرين رؤية المصر الآخر إلا إذا اتحدت المطالع۔

اس کی شرح منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک وزارۃ الاوقاف قطر سے ۱۴۲۸ھ کو چھپی، اس میں بدر الدین عینیؒ نے متن کی تائید ہی کی ہے، اس کے خلاف ایک حرف بھی نہیں لکھا، تحفہ کے حاشیہ میں ابن ملک کی طرف منسوب شرح سے مخالف بات نقل کی گئی، وہ شرح میرے سامنے نہیں ہیں؛ البتہ ''مجمع البحرین'' پر ابن ملک کی شرح کا مخطوط موجود ہے، اس میں انھوں نے اختلاف مطالع معتبر ہونے کی روایت کو ترجیح دی ہے، تحفہ کی شرح شاید ابن الملک الاب کی نہیں، ابن الملک الابن کی ہے، مذکورہ حضرات کے علاوہ بہت سارے حضرات ایسے ہیں، جنھوں نے خانیہ کے اس موہوم حوالے کی متابعت کی سیل رواں کے مقابلے میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونے کے مسلک کی تائید کی ہے، مثلاً :

(۲۳) عبداللہ بن محمود الموصلی (م: ۶۸۳ھ): متن مختار کے خلاف جس میں خانیہ کی متابعت کی ہے، اپنی ہی شرح ''الاختیار'' میں متقدمین کے مسلک کی تائید کی طرف ہی مائل نظر آئے۔

(۲۴) علامہ ابو العباس السروجی (م: ۷۱۰ھ): علامہ السروجیؒ نے الغایۃ فی شرح الہدایہ میں لکھا ہے، جس کا ایک مخطوطہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے مرکزی کتب خانہ میں موجود ہے :

هذا إذا كان بين البلدين تقارب بحيث لا تختلف المطالع، فإن كان تختلف لا يلتزم أحدا من أهل البلدين حكم الآخر، هكذا ذكره في المحيط والذخيرة، عن القدوري، والواقعات، ومنية المفتي والتجريد وشرحه للكردري، والبدائع وعمدة الفتاوىٰ: ... ثم نقل كلام الحلواني والظهيرية من الحنفية، وكلام ابن عبد البر المالكي، والنووي الشافعي، والقرافي المالكي، ورجح القول باعتبار اختلاف المطالع، وقال فيما قال: ''وتؤكدها أنه لم ينقل عن عمر، ولا عن غيره من الخلفاء أنهم كانوا يبعثون البرد (ويكتبون) إلى الأقطار، بأنا قد رأيناه فصوموا، بل كانوا يتركون (الناس) على مراقبهم، فيصير هذا كالمجمع عليه ...'' وذكر أيضا حديث كريب۔

الغایۃ کی عبارت میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ فقہ حنفی کی کتنی مستند کتابوں میں اختلاف مطالع معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۲۵) فخر الدین زیلعیؒ ملاحظہ ہو: تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق۔

(۲۶) علامہ امیر کاتب اتقانی (م: ۷۵۸ھ): امیر کاتبؒ نے اپنی شرح ہدایہ ''غایۃ البیان ونادرۃ الاقران'' (مخطوطہ مکتبہ شیخ الاسلام فیض اللہ آفندی استنبول) میں لکھا ہے:

ثم المعتبر فی کل قوم مطالع بلادهم ، لا بلاد غيرهم ، فإن البلاد تختلف أقاليمها فی الارتفاع والانخفاض ، فربما يرى فی بعضها ولم يرفی بعض ، وقيل : لا اعتبار لاختلاف المطالع ، حتى لو رأى أهل المغرب هلال رمضان يجب برؤيتهم على أهل المشرق ، وعليه فتوىٰ الفقيه أبی الليث رحمه الله ، ولا نأخذه ، لما روى الترمذی فی جامعه ، وقال : حدثنا علی بن حجر ... (فذكر حديث كريب عن ابن عباس رضی الله عنهما ، كما هو فی جامع الترمذی فی كتاب الصوم ، باب لأهل كل بلد رؤيتهم ، وفی آخره) قال أبو عيسٰی : حديث ابن عباس رضی الله عنه حديث حسن صحيح غريب ، قال : والعمل على هذا الحديث عند أهل العلم أن لكل أهل بلد رؤيتهم ۔

(۲۷) ابراہیم بن عبدالرحمٰن القاہری صاحب الفیض (م: ۹۲۳ھ): ''فیض المولی الکریم علی عبدہ ابراہیم'' کا حوالہ تو رد المحتار ہی میں آیا ہے، (واعتمده الزيلعی وصاحب الفيض) بعد میں ''فیض'' کے مخطوطہ کی مراجعت کی گئی، اس میں تو صاف ہے: ''والصحيح اعتبار اختلاف المطالع'' ان کی یہ عبارت خیر الدین الرملی نے ''حاشیۃ البحر'' میں نقل کی ہے، الدر المختار کے بعض نسخوں میں یہ دو حوالے مذکور ہیں، ملاحظہ ہوں: رد المحتار: ۲۵۶/۶، تحقیق حسام الدین فرفور حفظہ اللہ تعالیٰ، فیض المولی الکریم کے خطبہ میں لکھا ہے:

وضعت فی كتابی هذا ما هو الراجح والمعتمد ، ليقطع بصحة ما يوجد فيه أو منه يستمد ۔ (۱)

(۲۸) شاہ ولی اللہ (م: ۱۱۷۶ھ): المصفی شرح موطاء فارسی: ۲۳۷/۱ ملاحظہ ہو۔

(۲۹) علامہ انور شاہ کشمیری (م: ۱۳۵۲ھ): العرف الشذی ومعارف السنن۔

(۱) رد المحتار: ۱۰۲/۱۔

(۳۰) مفتی محمد شفیع: رسالۂ (رؤیت ہلال) کے علاوہ امداد المفتین: ۴۸۱-۴۸۳ کا متعلقہ فتویٰ خاص طور پر قابل ملاحظہ ہے۔

(۳۱) مولانا محمد یوسف بنوری (م: ۱۳۹۷ھ): معارف السنن: ۵/ ۳۳۷-۳۴۰، ۳۵۲۔

(۳۲) مفتی فیض اللہ (م: ۱۳۹۶ھ): دارالعلوم ہاٹ ہزاری چاٹگام بنگلہ دیش، حضرتؒ بھی اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کو ترجیح دیتے تھے:

حکاہ لی والدی، حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ، وھو من تلامذۃ المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بندہ کے ناقص خیال میں اگر صرف اس پر غور کیا جائے کہ قدوری، مبسوط اور ہدایہ، یہ تینوں کتابیں قضاء یوم کا مسئلہ اور ''لاعبرۃ لاختلاف المطالع'' والی عبارت سے خالی ہیں، ادھر قدوری، صاحب ہدایہ اور کاسانی نے نادر روایت کے جزئیہ کو مقید کر دیا ہے؛ جب کہ یہ تینوں اصحاب الترجیح میں سے ہیں، صرف ان دو باتوں پر غور کیا جائے، پھر بھی لازم ہوجاتا ہے کہ ہم خانیہ وخلاصہ کی اس موہوم عبارت کی حقیقت پر نظر ثانی کریں، اب جب کہ ظاہر روایت کے بنیادی مصادر اصلیہ اور ثانوی مصادر اصلیہ سب ہی موجود ہیں اور ان میں نہ وہ مسئلہ ظاہر روایت کے طور پر مذکور ہے اور نہ لاعبرۃ والی عبارت، اس لئے اب تو اس پر نظر ثانی اور بھی ضروری ہوگئی، پھر یہ بات کیسے باور کی جائے کہ قاضی خانؒ سے پہلے کے اتنے اکابر اس ظاہر روایت سے بے خبر رہے!

چند گزارشات

(۱) شرح السنۃ بغوی: ۴/ ۱۴۵، باب الشہادۃ علی رؤیۃ الہلال میں ابن المنذر کے حوالے سے اختلاف مطالع سے متعلق جو مذاہب نقل کئے گئے (اسی طرح معالم السنن خطابی میں) ان میں سخت تسامح موجود ہے، بغوی کی التہذیب فی فقہ الامام الشافعی: ۳/ ۱۴۳، ابن المنذر کی الاشراف: ۳/ ۱۱۲ سے اس کا مقابلہ کرنا چاہئے، ابن المنذر نے لکھا: ''وقال آخرون'' اسے نقل کرنے والوں نے بنایا: ''وقال أکثر الفقھاء'' ابن المنذر نے شک کے ساتھ ''الکوفی'' کو الکوفیون بنا کر سارے اصحاب الرائے کی طرف نسبت کر دی۔

اگر چہ الاشراف: ۳/ ۱۱۲ (باب الہلال یراہ اہل بلدۃ دون سائر البلدان) کا بیان بھی تسامح سے خالی نہیں، ابن ہبیرہ کی اختلاف الائمۃ العلماء: ۱/ ۲۳۲ پر الاشراف کی مظنون نقل کا اثر پڑا، اس لئے انھوں نے اس مسئلہ کو ائمہ اربعہ کا متفق علیہ مسئلہ بتایا! اگر چہ الافصاح عن معانی الصحاح: ۳/ ۲۳۲-۲۳۳ میں حدیث کریب کے تحت لکھا ہے: ''فی ھذا الحدیث ما یدل علی أن لکل إقلیم حکمہ''۔

واضح رہے کہ مبنی برواقعہ بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف حنبلی مذہب کا ہے، حنفی، شافعی اور مالکی اپنے اپنے مذہب کے راجح مسلک کے مطابق بلاد متباعدہ اور بلاد قریبہ کے درمیان فرق کرنے پر متفق ہیں، اشتباہ صرف تسامح پر مبنی نقول کی وجہ سے پیش آتا ہے، استقصاء کے ساتھ مصادر اصلیہ کی مراجعت کا اہتمام کیا جائے تو اشتباہ زائل ہوجاتا ہے۔

(۲) العزیز شرح الوجیز (شرح الرافعی): ۱۷۹/۳-۱۸۰ میں لکھا ہے :

إن تقاربت البلدتان فحكمهما حكم البلدة الواحدة ، و إن تباعدتا فوجهان : أظهر هما ، وبه قال أبو حنيفة رحمه الله ، وهو اختيار الشيخ أبي حامد أنه لا يجب الصوم على أهل البلدة الأخرى۔

والثاني : يجب ، وهو اختيار القاضي أبي الطيب ، ويروى عن أحمد۔

پتہ چلا کہ متقدمین فقہاء حنفیہ کا یہ مسلک اتنا معروف تھا کہ رافعی نے اسے براہ راست امام ابوحنیفہؒ کی طرف نسبت کردی، ان سے پہلے رویانی نے بھی یہی کیا، (۱) مالکیہ میں ابوالعباس القرافی نے بھی۔ (۲)

(۳) کسی روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ ظاہر روایت ہے یا نہیں ہے، یہ اخبار کے قبیل سے ہے، تصحیح یا تضعیف کے قبیل سے نہیں، اس لئے قاضی خان کی تصحیح کا جو مقام قاسم بن قطلو بغا نے بیان فرمایا، اس کے تحت یہ صورت بظاہر داخل نہیں۔

(۴) اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کو زیلعی نے ''هو الأشبه'' کہا ہے، ان سے بڑے کسی فقیہ نے منسوب الی ظاہر الروایۃ اس مخالف روایت کی تصحیح کی ہے کہ نہیں؟ بحر اور در وغیرہ میں جو خلاصہ کی طرف ''علیہ الفتویٰ'' کی نسبت کی گئی وہ صحیح نہیں ہے، ''خلاصہ'' میں تو بلکہ یہ ہے: ''وعليه فتوىٰ الفقيه أبي الليث'' کہاں: ''وعليه فتوىٰ'' اور کہاں یہ عبارت! اوپر صاحب ''الفیض'' کا حوالہ بھی گزرا، انھوں نے صاف کہا: ''والصحيح اعتبار اختلاف المطالع''۔

طحطاوی علی المراقی میں جو ابوالسعود کے حوالہ سے عدم اعتبار کو ''اصح'' کہا ہے، وہ عینی کی ''شرح الکنز'' سے ماخوذ ہے؛ لیکن عینی نے اصحیت کی علت احتیاط بتایا، ابن الہمام نے بھی احوط ہی کہا، جب کہ احتیاط امر نسبی ہے،

(۱) بحر المذہب: ۲۷۱/۴۔

(۲) الذخیرۃ: ۴۹۱/۲۔

فطر میں تو احتیاط تاخیر میں ہے، پھر یوم الشک کا روزہ تو یوں ہی مکروہ ہے، اس سلسلے میں خواص وعوام کی تفریق کو اعلاء السنن: ١٢٦/٩ میں بے دلیل اور مصلحت کے خلاف ہونے کی وجہ سے تسلیم نہیں کیا گیا ہے، ان سے پہلے ''التنبیہ علی مشکلات الہدایہ'' میں بھی۔

ابن الہمام نے فتح القدیر: ٣١٤/٢ میں معروف مسلک کی تائید میں سب سے بڑی بات جو فرمائی ہے وہ یہ ہے :

> وجه الأول عموم الخطاب فى قوله ''صوموا'' معلقا بمطلق الرؤية فى قوله لرؤيته ، وبرؤية قوم يصدق اسم الرؤية فيثبت ما تعلق به من عموم الحكم ، فيعم الوجوب ، بخلاف الزوال والغروب ، فإنه لم يثبت تعلق عموم الوجوب بمطلق مسماه فى خطاب من الشارع ، والله أعلم۔

لیکن جس طرز استدلال سے انھوں نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ کسی جگہ میں بھی رویت ہوتو پوری دنیا میں ہر ایک پر روزہ فرض ہے، اس طرح تو کہیں بھی کسی نماز کا وقت ہو جائے تو ہر جگہ کے مسلمان پر نماز فرض ہو جائے گی، انھوں نے یہ کہہ کر تفریق کی ہے کہ شارع کے خطاب میں کسی نماز کے وقت کا مطلق نام لے کر نماز کا عام حکم نہیں آیا، اگر آتا تو اوقاتِ صلاۃ کے بارے میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہوتا؛ حالاں کہ یہ تفریق خلاف واقعہ ہے: ''یا أیها الذین آمنوا إذا نودی للصلاة من یوم الجمعة ...''۔

یہاں ابن الہمام کے طرز استدلال کے مطابق کہا جا سکتا ہے :

> وجه عدم اعتبار اختلاف المطالع فى أوقات الصلاة عموم الخطاب فى ''فاسعوا'' و ''ذروا البيع'' معلقا بمطلق النداء فى قوله إذا نودى ، وبمطلق النداء يصدق اسم النداء فيثبت ما تعلق به من عموم الحكم ۔

حدیث میں ہے: ''صلوا المغرب حین تغیب الشمس''۔(١)

یہاں بھی کہا جائے :

> لعموم الخطاب فى ''صلوا المغرب'' معلقا بمطلق غيبوبة الشمس فى قوله : حين تغيب الشمس ، وبغيبوبة الشمس فى بلد يصدق اسم الغروب ۔

(١) مصنف عبدالرزاق: ٥٥٣/١۔

صحیح بخاری میں ہے :

إذا طلع حاجب الشمس فدعوا الصلاة حتى تبرز ، و إذا غاب حاجب الشمس فدعوا الصلاة حتى تغيب ، ولا تحينوا بصلاتكم طلوع الشمس ولا غروبها ۔ (۱)

ان کے طرز استدلال کے مطابق یہاں بھی وہی بات دہرائی جاسکتی ہے، ذرا سوچنا چاہئے کہ کیا مخاطبین اولین کے حاشیہ خیال میں بھی کبھی یہ آیا ہے کہ ''صوموالرؤیۃ'' میں ہمیں مطلق رؤیت ہوتے ہی روزہ کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے ہمیں دیگر علاقوں کی رؤیت کی تلاش کرنی چاہئے ، (۲) مطلق رؤیت ہی حدیث کی مراد اولی ہوتو ''فإن غم عليكم ... '' کا کیا معنی رہے گا، پوری دنیا میں کیا ایک ساتھ مطلع ابر وغبار سے مستور رہتا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے امداد المفتین میں ''موصوا لرؤيته '' کا متبادر مفہوم یہی قرار دیا ہے کہ اس میں ہر مطلع والوں کو اپنی اپنی رؤیت پر عمل کرنے کا حکم ہوا، (۳) حضرت مفتی اعظمؒ کی بات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے :

حديث عمر رضى الله تعالى عنه إن أناسا كانوا بين الجبال فأتوه ، فقالوا : يا أمير المؤمنين إنا ناس بين الجبال لانهل الهلال إذا أهله الناس ، فبم تأمرنا ؟ قال : الوضح إلى الوضح ، فإن خفي عليكم فأتموا العدة ثلاثين يوماً ثم انسكوا ، رواه الخطابي رحمه الله تعالى ۔ (۴)

(۱) صحیح بخاری: ۳۲۷۲، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ ابلیس وجنودہ۔

(۲) حدیث میں شہادت آنے پر قبول کرنے کی مثالیں موجود ہیں؛ لیکن رؤیت کی خبریں اور شہادتیں تلاش کرنے یا رؤیت کے لئے کہیں اور جگہ کسی کو بھیجنے کی ایک مثال بھی نہیں ملتی ، حقیقت یہ ہے کہ ''صوموالرؤيته ... '' کی وجہ سے نہیں ؛ بلکہ قبول شہادت کی حدیث کی وجہ سے ''لاعبرة'' والا مسلک مجتہد فیہ کے دائرے میں آیا ہے کہ بیس پچیس میل کے فاصلے کی شہادت قبول کی گئی تو ممکن ہے ہزار میل دور کی شہادت بھی قبول کی جاتی ؛ لیکن مقابل مسلک والے اس قیاس یا محتمل عموم کے مقابلے میں حدیث کریب سے استدلال کرتے ہیں، گو وہ استدلال بھی مجتہد فیہ ہے؛ لیکن لاعبرة کے قائلین تو ''توحید الاهلة'' یا ''توحید بدایات الشهور القمریة'' کو مامور بہ نہیں سمجھتے تھے، (امداد الفتاویٰ: ۲/ ۱۲۹-۱۳۰، منتخبات نظام الفتاویٰ: ۲/ ۱۲۲، کمالات اشرفیہ: ۷۲) جب کہ آج کل ہمارے یہاں بہت سے لوگ ''توحید الاهلة'' اور ''اتحاد تاریخ الصیام والعید عالمیا'' والا اس حادث مسئلہ کو لاعبرة لاختلاف المطالع والا مسلک کے بالکل مرادف سمجھ رہے ہیں، وشان ما بینھما!

(۳) امداد المفتین: ۴۸۳۔

(۴) غریب الحدیث: ۲/ ۱۰۲-۱۰۳، من طریق سعید بن منصور باسناد صحیح۔

حضرت عمرؓ بھی ’’صوموا الرؤیته‘‘ کے راوی ہیں اور خطابیؒ نے لکھا ہے کہ ’’الوضح إلی الوضح‘‘ کا معنی ہے ’’من الھلال إلی الھلال‘‘ مزید ملاحظہ ہو: ’’النھایة فی غریب الحدیث والأثر‘‘ اور ’’الفائق‘‘ زمخشری اور ملاحظہ ہو خطابیؒ کی شرح البخاری، اعلام الحدیث: ۲/ ۹۴۳۔

ایک ہے کسی حادث مجتہد فیہ رائے کے لئے نصوص کے ایماءات واشارات یا لفظی عموم میں تائید تلاش کرنا اور ایک ہے اسے کسی نص کا براہ راست مصداق قرار دینا، اول صورت مقبول ہے؛ لیکن دوسری صورت جیسا کہ بڑوں سے سنا، قابل اعتراض ہے، ’’فتح القدیر‘‘ کے اس مقام میں شاید ذہول کی وجہ سے دوسری صورت پیدا ہوگئی، شاید اسی لئے انھوں نے خود اس پر استدراک فرمایا ہے اور حدیث کریب ذکر کر کے لکھا ہے :

ولا شک أن ھذا أولی ، لأنه نص ، وذلک محتمل لکون المراد أمر کل أھل مطلع بالصوم لرؤیتھم ۔ (۱)

اس استدراک کے بعد حدیث کریب کی جو تاویل انھوں نے کی وہ بہت بعید ہے وہ ’’قد یقال‘‘ کے عنوان سے محض احتمال کے طور پر لکھا گیا؛ کیوں کہ اگر ابن عباسؓ کے نزدیک شام کی رؤیت مدینہ کے لئے معتبر ہوتی تو وہ کریب کو امیر مدینہ یا قاضی کے پاس شہادت ادا کرنے کے لئے بھیجتے، وہ تو خود امیر یا قاضی نہیں تھے کہ ان کے سامنے ہی کریب اشہد کہنے لگتے! اور یہ کہنا ہلال شوال میں ایک شاہد مقبول نہیں، کارگر نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کریب کی شہادت سے ہلال رمضان تو ثابت ہوسکتا تھا اور وہی عدم اکمال ثلاثین کی صورت میں اہل مدینہ کے لئے موجب قضاء بن سکتا تھا، اکابر حنفیہ میں علاء الدین ماردینیؒ صاحب الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی سمیت متعدد حضرات نے مذکورہ تاویلات کو بعید قرار دیا ہے اور حدیث کریبؒ سے استدلال کو ظاہر اور متبادر بتایا ہے، شوکانی کی نیل الاطار میں جو بے جا اعتراضات کئے گئے، وہ ان کی کتاب ارشاد الفحول اور جصاصؒ کی الفصول میں بیان کردہ اُصول کے خلاف ہیں اور شوکانی تو وہ ہیں جنھوں نے طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں ’’نیل الاوطار‘‘ ہی میں سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ کو مسکین کہا ہے! اور وہ بھی ابن عباسؓ سے مروی ایک مأول اور متروک العمل روایت کی تائید کرتے ہوئے اور یہاں وہ ابن عباسؓ کی حدیث کے خلاف باتیں بنا رہے ہیں، جب کہ یہ حدیث عمل متوارث کے بالکل موافق ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ پر جنھوں نے اعلاء السنن: ۹/ ۱۱۹ میں صاف فرمایا ہے کہ نیل الاوطار کی وہ باتیں قواعد حنفیہ کے موافق نہیں ہیں، حقیقت یہ ہے کہ صرف حنفیہ نہیں؛ بلکہ جمیع اہل السنت والجماعت کے اُصول ومزاج سے یہ باتیں مطابقت نہیں رکھتیں؛ حتی کہ اکثر علمائے اہل حدیث (غیر مقلدین) نے بھی ان باتوں کو قبول نہیں کیا، عبید اللہ مبارکپوریؒ نے مرعاۃ المفاتیح: ۶/ ۴۲۸ میں صاف لکھا ہے :

(۱) فتح القدیر: ۲/ ۳۱۴۔

وعندی کلام الشوکانی مبنی علی التحامل یردہ ظاھر سیاق الحدیث۔

واضح رہے کہ ابن عابدینؒ کا ''لاعبرۃ.....'' کو المعتمد الراجح بتلانے کا مدارا سے ظاہر روایت سمجھنا ہے اور فتح القدیر کی وہ بحث ہے، بس اس کے علاوہ کچھ نہیں۔(۱)

دلائل کی یہ باتیں استطرادا آ گئیں، صرف اس لئے کہ اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کو مصادر اصلیہ کی مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے جس طرح فقہی رویت کے لحاظ سے کمزور سمجھا جاتا ہے، اسی طرح دلائل کے لحاظ سے بھی ناحق طور پر بہت ہی کمزور تصور کیا جاتا ہے، ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، دونوں طرف استدلالات کا سلسلہ طویل ہے، استفتاء کا مقصد راجح کی تعیین نہیں۔

حاصل استفتاء

بلکہ استفتاء کا حاصل یہ ہے کہ ''فتاویٰ خانیہ'' اور ''خلاصۃ الفتاویٰ'' میں جو ''لا عبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایۃ'' کی عبارت مذکور ہے کیا وہ معروف معنی پر محمول ہے، اگر معروف معنی پر محمول ہے تو کیا وہ موافق واقع ہے؟ ''بینوا توجروا'' کی عاجزانہ درخواست یہ ہے کہ اگر واقعتاً یہ بات روایات الأصول میں داخل ہے تو وہ بات مدلل ہو جائے، کتب الأول کی تصنیف کے چار سو سال بعد اچانک پیدا شدہ ایک محتمل حوالے کی بنیاد پر کسی بات کو ظاہر الروایہ کہتے جانا اور مصادر اصلیہ موجود ہونے کے باوجود ان سے اس کی تصدیق نہ کر لینا شاید مناسب نہیں ہے، بس یہ بات کتب الاصول کے حوالے سے مدلل ہونی چاہئے۔

ضمناً عرض ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ: ۴۷۰، ادارہ اسلامیات میں لکھا ہے: اختلاف مطالع صوم وافطار میں معتبر نہیں اور سوائے اس کے معتبر ہے، یہ ظاہر روایت ہے اور بعض علماء حنفیہ کے نزدیک صوم وافطار میں بھی معتبر ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے محقق و متقن ہونے میں کسی کو کیا شک ہے؛ لیکن کیا صرف اس محتمل حوالہ کی وجہ سے ہم کہتے رہیں گے کہ قربانی، عیدالاضحیٰ، حج، صیام عرفہ اور عاشورہ وغیرہ میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا ظاہر روایت ہے۔

مزید وضاحت کے لئے استفتاء کے عناصر کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے :

(۱) مسألۃ قضاء أھل بلد صاموا ۲۹ یوماً، لأجل بلد آخر صام أھلہ ۳۰ یوما، ھل وجدت فی کتب ظاھر الروایۃ؟ إن وجد فی ظاھر الروایۃ فعن أی إمام وجد، عن الثلاثۃ أو عن بعضھم، وھل وجد ذلک فی الظواھر عن الإمام أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ؟

(۱) ملاحظہ ہو: تنبیہ الغافلین والوسنان داخل مجموعہ رسائل ابن عابدین۔

(۲) هل وجدت هذه المسألة عن الإمام أبي حنيفة ، ولو في النوادر ؟

(۳) عبارة لا عبرة لاختلاف المطالع هل وجدت في كتب ظاهر الرواية ، أو في كتاب من كتب نادر الرواية ؟ عن أحد من أئمتنا الخمسة : أبي حنيفة ، وأبي يوسف ، ومحمد بن الحسن ، والحسن بن زياد ، وزفر بن الهذيل رحمهم الله تعالىٰ ۔

(۴) هل وجد النص الصريح في حكم البلاد المتباعدة ، عن أحد من أئمتنا الثلاثة ؟ أو الخمسة ؟

(۵) ما هو مأخذ ما نقله في الخلاصة عن شمس الأئمة الحلواني ، من أنه يجب الصوم على أهل المشرق من أجل رؤية أهل المغرب ؟ في أي كتاب قاله الحلواني رحمه الله تعالىٰ ، وما هو سياق كلامه بتمامه ؟

(۶) عبارة ''لا عبرة لاختلاف المطالع'' هل وجدت في كلام من هو أقدم عن صاحب الخانية المتوفى سنة :۵۹۲ھ ۔

والقصد من وراء هذه التدقيقات أن لا نغلط في النسبة وأن لا نذكر في ترجيح رواية على رواية وجوها لاصلة لها بالواقع ۔

هذا وصلى الله تعالىٰ وبارك وسلم على سيدنا ومولانا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين ، والحمد لله رب العالمين ۔

نوٹ:- واضح رہے کہ ملا خسروؒ کی ''درر الحکام'' پر شرنبلالیؒ کے حاشیہ میں جو ''کافی'' کے حوالے سے ''لا عبرة لاختلاف المطالع'' کی عبارت مذکور ہے یہ صاحب کنز (م: ۷۱۰ھ) کی ''الکافی شرح الوافی'' ہے، حاکم شہیدؒ کی ''مختصر الکافی'' نہیں، کافی الحاکم میں یہ عبارت موجود ہوتی تو ہمیں مبسوط سرخسیؒ ہی میں اس کا ذکر ملتا، تاہم کافی الحاکم کا مخطوطہ بھی موجود ہے، اس میں یہ عبارت نہیں ہے۔ فقط

تتمہ استفتاء متعلقہ اختلاف المطالع

اس وقت یہ خط مطالع سے متعلق استفتاء ہی کے بارے میں لکھ رہا ہوں؛ چوں کہ یہ معاملہ بڑا نازک ہے کئی سو سال سے چلا آرہا ہے، ایسے کسی حوالے کو ماؤل یا تسامح کہنا ظاہر ہے بہت ہی احتیاط کا متقاضی ہے، اس لئے بطور

مستفتی بندہ نے بھی اس موضوع پر مطالعہ جاری رکھا، چاہتا تھا کہ استفتاء کواز سرنو مرتب کروں؛لیکن وہ وقت طلب ہے اور شاید یہ زیادہ مناسب بھی نہ ہو، اس لئے بطور تتمہ استفتاء یہ خط آنجناب کی خدمت میں لکھ رہا ہوں، اُمید ہے کہ حسبِ سابق توجہ مبذول فرمائیں گے۔

چنداُمورعرض کرتا ہوں :

(۱) شرنبلالی علی الدرر میں لکھا ہے:''**قال فی الکافی : وفی ظاھر الروایۃ لا یعتبر اختلاف المطالع**'' یہ تو جناب کو ضرور معلوم ہے یہ کافی نسفی کا حوالہ ہے، کافی حاکم شہید کا نہیں، متاخرین کافی نسفی ہی سے متعارف اور مانوس ہیں، وہ مطلقاً 'کافی' کہیں تو یہی مراد ہوتا ہے، کافی حاکم شہید کا حوالہ کم ہی دیتے ہیں، جب دیں گے تو تصریح کے ساتھ دیں گے یہی ان کا طریقہ ہے، خود شرنبلالیہ: ۱/۳۶، باب المسح علی الخفین میں ابن ملک کے ایک مطلق حوالے پر صرف یہ کہہ کر تنقید کی گئی کہ حوالے سے ظاہر تو یہی ہے کہ کافی نسفی کا حوالہ دینا مراد ہے؛ حالاں کہ اس میں یہ بات نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ عبارت (لا عبرۃ ......) کافی شہید کے مخطوطات میں نہیں ہے؛ جب کہ کافی نسفی کے مخطوطہ میں موجود ہے، پھر یہ اُسلوب کافی شہید کا نہیں، پہلی بات تو یہ ہے ان کے زمانے میں ''ظاہرالروایہ'' کی اصطلاح تو شاید بنی بھی نہیں تھی، ثانیاً وہ تو کتاب الاصل کا اختصار ہے، انھیں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے کہ یہ بات ظاہرالروایہ میں ہے۔

پھر 'کافی' کا حوالہ صرف شرنبلالیہ کے اس مقام پر نہیں، اس طرح کا مطلق حوالہ سو کے قریب مقامات میں ہے اور ان میں کوئی بھی حوالہ کافی شہید میں ملنے کا نہیں، پھر کیا یہ سب نسخوں کا اختلاف ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مبسوط سرخسی کافی کی شرح ہے، اگر کافی میں یہ عبارت ہوتی تو مبسوط میں یہ مسئلہ مذکور ہوتا؛ حالاں کہ مبسوط میں اس بارے میں کچھ بھی نہیں ہے۔

الغرض شرنبلالیہ میں یہاں کافی نسفی ہی کا حوالہ دیا گیا ہے، جس کا واحد ماخذ خانیہ کی عبارت ہے۔

(۲) یہ بات بہت ہی قابل توجہ ہے کہ ظاہر روایت کی کتابوں کی روایات اور ہر روایت کے متعدد نسخے کب ہم نے دیکھے کہ ہمیں اکابر کے دیئے ہوئے کسی حوالہ میں تردد کا حق ہو!

اس بات کی بندہ نے بہت رعایت کی ہے، اس لئے بہت ہی اہتمام سے مصادر قدیمہ کی مراجعت کی اور ان کی چھان بین کی؛ تا کہ ایسا نہ ہو کہ کسی مستند روایت یا نسخہ میں موجود کسی چیز کو مطبوعہ نسخوں میں نہ ملنے کی وجہ سے مشکوک یا منفی کہنا لازم آئے، جو نہ صرف ادب واحتیاط کے خلاف ہے؛ بلکہ اُصول تحقیق کے بھی خلاف ہے۔

اس لئے اگر گستاخی معاف فرمائیں گے تو اس طالب علمانہ محنت کا کچھ خلاصہ جناب والا کے سامنے اپنے استفادے کی خاطر پیش کرتا ہوں۔

بات یہ نہیں کہ کتب ظاہر روایت کے صرف مطبوعہ نسخے دیکھے گئے؛ بلکہ بالواسطہ وبلا واسطہ اتنے نسخے دیکھے گئے کہ کتب الاصول میں مذکورہ عبارت کی عدم موجودگی کا وثوق حاصل ہو چکا ہے، مثلاً :

(الف) کتاب الاصل کا نیا محقق نسخہ چھپا ہوا موجود ہے، اس کے محقق کے سامنے تیس سے زائد مخطوطات تھے، انھوں نے اختلاف بیان کرنے کا التزام کیا ہے، جب کہ حاشیہ میں کہیں کسی ایک نسخے کے تفرد کے طور پر بھی اس عبارت کا ذکر نہیں کیا! الکافی للشہید خود کتاب الاصل کی کئی روایات اور نسخوں کو شامل ہے، اس میں بھی نہیں ہے، شرح الکافی للسرخسی (المبسوط) اور شرح الکافی للحلوانی (المبسوط) میں بھی نہیں ہے، تو ان تین کتابوں کے واسطے سے الاصل کے کتنے نسخے ہم نے دیکھے ذرا غور تو کرنا چاہئے۔

(ب) الجامع الصغیر کا نیا محقق نسخے کا بھی یہی حال ہے، تقریباً دس سے زائد مخطوطات سامنے رکھ کر محقق نے اس کی تحقیق کی ہے، یہ مستقل متن کے نسخے ہیں، حامل شروح نسخوں کی تعداد الگ ہے، قابل لحاظ بات یہ ہے کہ محقق نے کسی ایک نسخے کے حوالے سے بھی یہ عبارت ذکر نہیں کی۔

علامہ لکھنویؒ کا مقدمہ لکھا ہوا نسخہ پہلے سے مطبوعہ ہے، اس میں بھی نہیں ہے۔

(ج) الجامع الصغیر پر قاضی خانؒ کی شرح موجود ہے، اُم القریٰ میں اس کی تحقیق ہو چکی ہے، شبکہ میں محقق نسخہ موجود ہے، اس میں یہ عبارت یا اس کا ہم معنی کوئی جملہ نہیں ہے، ظاہر ہے کہ انھوں نے صرف ایک نسخے کی بنیاد پر تو شرح نہیں لکھی ہوگی، علاوہ ازیں اگر یہ عبارت الجامع الصغیر کے کسی بھی مستند نسخے میں موجود ہوتی تو قاضی خانؒ سے کیسے فوت ہو جاتی؟

(د) شرح الجامع الصغیر للبزدوی، شرح الجامع للتمرتاشی المتقدم کے نسخے بھی حاصل کئے گئے، ان میں بھی نہیں ہے۔

(ہ) بدایۃ المبتدی، الجامع الصغیر اور قدوری کے مسائل کا مجموعہ ہے، (ملاحظہ ہو: بدایۃ المبتدی کا مقدمہ بقلم صاحب الہدایہ) اس لئے بدایہ اور ہدایہ میں یہ عبارت نہ ہونے کا معنی یہ ہے کہ صاحب ہدایہ کے پاس الجامع الصغیر کے موجود نسخے رنسخوں میں بھی یہ عبارت نہیں ہے۔

(و) تکملۃ القدوری لحسام الدین الرازی (م: ۵۹۸ھ) کا مخطوطہ بھی الحمد للہ موجود ہے، انھوں نے جیسا کہ تکملہ کے مقدمہ میں ہے، الجامع الصغیر، مختصر الطحاوی وغیرہ میں موجود وہ مسائل جو قدوریؒ سے رہ گئے، انھیں

جمع کرنے کے لئے یہ تکملہ لکھا ہے اس میں بھی یہ عبارت نہیں ہے، یعنی ان کے پاس موجود الجامع الصغیر میں بھی یہ نہیں ہے۔

(ز) ابوحفص عقیلیؒ (م: ٥٧٦ھ) کے المنہاج میں الجامع الصغیر، تصنیف الطحاوی، مختصر القدوری، موجز الفرغانی عمر بن حبیب، مختلف الروایہ سمرقندی کے مسائل بالاستیعاب لانے کا التزام کیا ہے، ملاحظہ ہو المنہاج کے مخطوطہ سے اس کا مقدمہ، جب کہ منہاج میں یہ بھی مسئلہ نہیں ہے، مطلب یہ بنا کہ عقیلیؒ کے پاس موجود نسخوں میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔

(ح) المحیط البرہانی، المحیط الرضوی اور خزانۃ الاکمل تینوں میں ظاہر روایت کی کتابوں کے مسائل ذکر کرنے کا اہتمام اور ہر کتاب کے مقدمہ میں اس کا اعلان موجود ہے، جب کہ ان تینوں میں سے کسی میں بھی یہ عبارت موجود نہیں، اس کا معنی تو یہی ہے کہ کتب ظاہر روایت (پانچوں کتابوں) کے وہ نسخے جو ان کے پاس موجود تھے، ان میں بھی یہ عبارت موجود نہیں۔

اسی طرح امام ابوالقاسم البیہقی الحنفی (م: ٤٠٢ھ) کی ''الشامل'' میں اس عبارت کا موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے پاس ''الاصل، الجامعین اور الزیادات'' کے جتنے نسخے تھے، کسی میں یہ عبارت موجود نہیں، انھوں نے الشامل شرح المجرد میں ان کتابوں کے مسائل کا استقصاء کیا ہے، ''الشامل'' کا مخطوطہ دار الکتب المصریہ اور معہد المخطوطات میں موجود ہے، جس کا نسخہ الحمدللہ ہمارے پاس موجود ہے۔

الجامع الکبیر کے محقق حضرت مولانا افغانی کے سامنے شرح العتابی اور شرح الحصیری موجود تھیں، اس کی تصریح موجود ہے کہ ان کے پاس خاص طور پر حصیری کے پاس الجامع الکبیر کے متعدد نسخے موجود تھے، دار العلوم کراچی میں شرح الجامع الکبیر للجصاص کا مخطوطہ موجود ہے، اس کی تصویر ادارے کی اجازت سے بندہ کو بھی حاصل ہوئی، اس میں بھی نہیں ہے، غور فرمایا جائے کہ الجامع الکبیر کے کتنے نسخے بالواسطہ اور بلا واسطہ دیکھے گئے، رہا السیر الکبیر تو یہ کتاب اس مسئلہ کا مظنہ نہیں ہے، تاہم شرح السیر الکبیر للسرخسی کے ضمن میں اس کا مطالعہ کیا اس میں بھی نہیں، السیر الصغیر تو کتاب الاصل ہی کا حصہ ہے۔

''الزیادات'' تو خود قاضی خانؒ کی شرح کے ساتھ منضم ہو کر اس میں موجود ہے، ''شرح الزیادات'' لقاضی خانؒ کی تحقیق متعدد مخطوطات سامنے رکھ کر کی جا چکی ہے اور ادارۃ القرآن سے عرصہ ہوا چھپ کر شائع ہو گئی، اس کا بھی الحمدللہ مطالعہ کیا گیا، اس میں بھی اس بارے میں کچھ نہیں ملا، ''الزیادات'' کے کسی بھی مستند نسخے میں یہ عبارت ہوتی تو وہ قاضی خانؒ سے کیسے فوت ہو جاتی؟

الغرض ''کتاب الاصل'' میں اس مسئلہ کے موجود نہ ہونے کی تصریح شمس الائمہ حلوانی ہی نے کی اور ''الجامع الصغیر'' اور ''الزیادات'' میں اس کا موجود نہ ہونا یہ ہمیں خود قاضی خان کی ''شرح الجامع'' اور ''شرح الزیادات'' سے معلوم ہو گیا، اگر کہا جائے کہ ممکن ہے ''الجامع الصغیر'' یا ''الزیادات'' کے کسی نسخے میں یہ عبارت ہو جو قاضی خانؒ کے سامنے نہیں تھا، جواب یہ ہے کہ اس کا امکان عقلی تو ضرور ہے؛ لیکن اس امکان کا حاصل تو یہی ہے کہ قاضی خانؒ نے خانیہ میں لاعبرۃ کو جو ظاہر روایت کہا، وہ ''الجامع الصغیر'' یا ''الزیادات'' کی کسی عبارت کی وجہ سے نہیں کہا؛ کیوں کہ ان دو کتابوں کے جو نسخے ان کے پاس تھے، ان میں یہ عبارت موجود نہیں تھی۔

(ط) ابھی حال میں نجم الدین بکبرس (م: ۶۵۲ھ) کی کتاب ''المختصر الحاوی للبیان الشافی'' کا مخطوطہ آیا ہے، یہ مخطوطہ ۶۲۱ھ کا لکھا ہوا اور مقابلہ کیا ہوا ہے، اس کے خاص مآخذ میں الجامع الصغیر اور المبسوط شامل ہیں۔

اس کتاب میں بھی یہ عبارت نہیں ملی۔

ان حقائق کے ساتھ درج ذیل قرائن بھی ملحوظ ہوں :

(الف) متقدمین یعنی صاحب خانیہ سے پہلے کے حضرات کے متون میں سے بہت سوں کا ہم نے بلا واسطہ اور بہت سوں کا بالواسطہ مطالعہ کیا؛ لیکن ان میں یہ عبارت نہیں ملی، اس کے برعکس متقدمین کے بعض متون میں اختلاف معتبر ہونے کی بات موجود ہے، مثلاً: التجرید الرکنی، المقدمۃ العزنویہ اور جواہر الفقہ لابن صاحب الہدایہ (احقر کے پاس جس کے پانچ مخطوطات ہیں)۔

اگر متون بقول ابن عابدینؒ بیان ظاہر روایت کے لئے موضوع ہیں تو متقدمین کے سارے متون لاعبرۃ والی عبارت سے خالی ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے؟

ذرا جواہر الفقہ کے مخطوطہ میں کتاب الصوم کا مطالعہ کرنے سے بھی معلوم ہوا ہے کہ اس میں ''لاعبرۃ'' والی عبارت نہیں ہے۔

اسی طرح تکملۃ القدوری اور جواہر الفقہ دونوں کے واسطے سے ہم نے ارشاد المہتدی للرستغفنی (معاصر کرخی) کو بھی ملاحظہ کیا ہے، شرط التزام کی بنیاد پر کہا جائے گا کہ اس میں بھی یہ عبارت نہیں ہے؛ کیوں کہ تکملۃ القدوری اور جواہر الفقہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

دوسرے بہت سے متون کا تذکرہ استفتاء میں آیا ہے، ان کا نام ظن کی بنیاد پر نہیں، تحقیق کے بعد ہی لکھا گیا۔

متقدمین تو اپنے متون کے شروع میں مآخذ ذکر کر رہے ہیں، جن میں بلا واسطہ اور بالواسطہ ظاہر روایت کی

کتابیں موجود ہیں، متاخرین کے متون اربعہ جنھیں مدار بنایا جارہا ہے، ان کے مقدمات میں نہ اجمالاً یہ بات کہی گئی کہ وہ ظاہر روایت لائیں گے اور نہ تفصیلا ظاہر روایت کی کسی کتاب کا نام لیتے ہیں، پھر بھی یہ ظاہر روایت کے لئے موضوع ہیں، تو متقدمین کے ان متون کا کیا قصور ہوا کہ ظاہر روایت تلاش کرتے وقت انھیں بطور مصدر استعمال نہ کیا جائے؟

تو کیا متقدمین کے متون ضبط واتقان میں متاخرین کے متون سے کم تر ہیں۔

(ب) خانیہ کے بعد کے بھی بہت سے متون میں یہ عبارت نہیں، مثلاً تحفۃ الملوک، وقایہ، نقایہ، الایضاح والاصلاح، جواہر الفقہ طاہر بن اسلامؒ؛ تحفہ میں تو معتبر ہونے کا قول ہی مذکور ہے۔

(ج) اگر یہ جملہ کہیں ہے تو سب سے پہلے ''مختار'' میں ہے، موصلیؒ نے الاختیار میں خود ہی بتادیا کہ ان کا حوالہ خانیہ سے ماخوذ ہے، واضح رہے کہ ''المختار'' میں موصلیؒ نے نئی عبارت بنائی:

فإذا ثبت فی بلد لزم جمیع الناس، ولا اعتبار باختلاف المطالع،
وقیل: یختلف باختلاف المطالع۔

پھر شرح میں لکھا ہے:

قال: (فإذا ثبت فی بلد لزم جمیع الناس، ولا اعتبار باختلاف المطالع) هکذا ذکره قاضی خان، قال: وهو ظاهر الروایة، ونقله عن شمس الأئمة (الحلوانی)...۔

اس نئی تعبیر اور شرح میں اختیار کردہ اُسلوبِ حوالہ کی وجہ سے یہاں کوئی اگر خانیہ کی مراجعت نہ کرے تو لزوم جمیع الناس کو بھی ظاہر روایت بحوالۂ خانیہ بنادے گا؛ حالاں کہ یہ موصلیؒ کی اپنی تعبیر ہے اور قرائن دال ہیں کہ فقہ حنفی کے متون میں اس تعبیر کے بارے میں غالباً ان ہی کو اولیت حاصل ہے، پھر ''وھوظاھرالروایۃ'' کو ایک مستقل جملہ بنا کر ''قال'' کی تصریح کے ساتھ خانیہ کی طرف نسبت کی گئی، جب کہ خانیہ کا سیاق بالکل الگ ہے۔

مزید برآں خانیہ کی عبارت: ''وکذا ذکر شمس الأئمة الحلوانی'' کو روایت بالمعنی کرکے: ''ونقله عن شمس الأئمة'' سے تعبیر کی گئی، جس سے ابہام ہورہا ہے کہ مقولہ لاعبرۃ کا ظاہر روایت ہونے کی بات ہی صراحتاً حلوانیؒ سے نقل کی گئی؛ جب کہ معاملہ ایسا نہیں۔

الغرض اول مرتبہ جس متن میں ساتویں صدی میں آکر یہ عبارت مذکور ہوئی، وہ خود ماتن کی تصریح کے مطابق خانیہ سے منقول ہے، نہ کہ ظاہر الروایہ کی کتابوں سے۔

دوسری کتاب ''مجمع البحرین'' لابن الساعاتی، ان کے سیاق سے ظاہر ہے کہ انھوں نے ''مختار'' پر اعتماد کیا،

اگر یہ قوی احتمال نظرانداز بھی کریں تو خود ابن الساعاتیؒ نے شرح المجمع میں لکھا ہے کہ لاعبرۃ اور قیل لایعتبر یہ دونوں باتیں زیادات میں سے ہیں، یعنی یہ ''مجمع البحرین'' کے بحرین (قدوری ومنظومۂ نسفی) میں نہیں ہیں، پھر یہ کہاں سے لائے؟ اس کا ذکر نہیں کیا، تو کیسے ہم یقین کرلیں کہ انھوں نے امام محمدؒ کی کتابوں سے ہی یہ عبارت نقل کی، محض احتمال سے ثبوت کیسے ہو؟

تیسری کتاب ''کنز'' انھوں نے تو اپنے مقدمہ میں ''واقعات'' سے بھی مسائل نقل کرنے کو کہا ہے، نادر روایت کا تو کچھ کہنا ہی نہیں، مزاج مصنفین سے واقف لوگ بالخصوص جن کی وافی، کافی اور کنز تینوں پر نظر ہے خوب جانتے ہیں کہ حضرت علامہ نسفیؒ نے ظاہر روایت کی کتابیں سامنے رکھ کر اور ان کے مسائل میں محدود رہ کر یہ متن تیار نہیں کیا ہے: ''وکم من مسالة فی الکنز لا اصل لها فی ظاهر الروایة'' یوں ''الوافی'' جو اصل ہے کنز کی اُس میں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے، نسفیؒ کا ممدوح اور مشروح متن ''الفقہ النافع'' میں بھی اس کا ذکر نہیں اور نہ شرح میں انھوں نے استدراک کیا ہے؛ البتہ اپنی کتاب ''الوافی'' کی شرح ''الکافی'' میں ''الاختیار'' یا براہ راست خانیہ پر اعتماد کرکے اس کا اضافہ کیا ہے، پھر اسے کنز میں بھی جگہ دے دی!

چوتھی کتاب ''ملتقی الابحر'' اس کتاب کے متن میں بتصریح مقدمۂ مصنف (۱) مختصر القدوری، (۲) المختار، (۳) الکنز اور (۴) وقایہ، چار کتابیں شامل ہیں؛ البتہ انھوں نے یہ بھی بتایا کچھ مسائل مجمع اور ہدایہ سے بھی لیں گے، قدوری ہدایہ اور وقایہ میں تو لاعبرۃ کی بات نہیں اور باقی کتابیں تو خانیہ کی تابع ہیں، پھر ان کے اتباع میں ملتقی میں اس عبارت کا موجود ہونا کیسے اس بات کی دلیل ہوسکتی ہے کہ وہ کتب ظاہر روایت سے منقول ہے!

رہا فتح، بحر اور تنویر اور اس کے شروح وحواشی میں اس حوالے پر کچھ کلام نہ کرنا تو یہ اس وقت صحت حوالہ لئے مؤید ہوسکتا ہے، جب یہ معلوم ہو کہ یہ حضرات خانیہ کے حوالوں کو بھی مصادر اصلیہ کی مراجعت کرکے پرکھ کر لیتے ہیں، یہاں معاملہ ایسا تو ہے ہی نہیں؛ بلکہ اس کے برعکس خارج میں اس بات کی دلیل موجود ہے، کہ ان حضرات کے پاس کتب ظاہر روایت موجود نہیں تھیں، یہ معاذ اللہ کوئی نقص نہیں؛ بلکہ حالات کی مجبوری تھی، الغرض ان حضرات کو اس حوالے میں تردد نہ ہوا اس لئے مراجعت بھی نہیں کی گئی، تو اس طرح کی متابعت صحت حوالہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

(د) طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہر روایت کے مسائل متداول ہوتے ہیں، متقدمین اور متاخرین ہر ایک کے یہاں دائر سائر ہوتے ہیں؛ جب کہ اس عبارت کا خانیہ سے پہلے کی کتابوں میں، متون ہوں یا شروح، فتاویٰ وواقعات ہوں، یا کسی اور نوع کی کتاب فقہ حنفی کے ذخیرۂ مخطوطات ومطبوعات میں قاضی خانؒ کی پہلی کتابوں میں جس کے معتد بہ حصہ کی اللہ کی رحمت سے مراجعت کی جاسکی کسی میں یہ جملہ ہے ہی نہیں، نہ ظاہر روایت کے حوالہ سے نہ نادر روایت کے حوالے سے اور نہ ہی یہ عبارت کسی فقیہ نے لکھی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(ہ) طریقہ یہ ہوتا کہ ظاہر روایت کے خلاف کسی روایت کی اگر اصحاب الترجیح تصحیح کرتے ہیں تو ظاہر روایت کو ذکر کر کے مقابل کی تصحیح کرتے ہیں اور وجہ تصحیح بھی بیان کرتے ہیں؛ لیکن لاعبرۃ والی عبارت ایک ایسی انوکھی ظاہر روایت ہے کہ قدوریؒ، الصدر الشہید، شمس الاسلام اُوزجندی، ابوالفضل کرمانیؒ، کاسانی اور صاحب ہدایہؒ سمیت اکابر اصحاب الترجیح صرف اس کے مقابل قول ہی پر اقتصار کر رہے ہیں اور اس کا سرے سے تذکرہ ہی نہیں کر رہے ہیں اور خانیہ کے محتمل حوالے سے جب وہ جملہ وجود میں آیا تو بہت سے محققین اس کے مقابل کو ''اشبہ'' کہتے رہے، علامہ اتقانیؒ نے تو ''غایۃ البیان'' میں اسے ''قیل'' کے عنوان سے ذکر کیا اور فرمایا ''ولا ناخذ بہ'' اسی طرح علامہ اسرائیل ابن دمرک (والد صاحب جامع الفصولین) نے بھی ''الہادی فی الفتاویٰ'' (مخطوطہ) میں اسے ''قیل'' کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

زیلعیؒ سے بڑے کسی محقق نے اس موہوم ظاہر روایت کو ہمارے علم کے مطابق اصح یا اشبہ نہیں کہا، اسی طرح اتقانیؒ سے کم درجے کے کسی فقیہ نے بھی اختلاف مطالع معتبر ہونے کے مسلک کو ''لا ناخذ بہ'' نہیں کہا ہوگا۔

لیکن جب بحر کے تسامح کی وجہ سے خلاصہ کی عبارت ''علیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث''، ''علیہ الفتویٰ'' میں متبدل ہوگئی تو متاخرین کو دو باتیں مل گئیں: (۱) یہ ظاہر الروایۃ ہے کما فی الخانیۃ، (۲) اسے اعلیٰ الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ سے معنون کیا گیا: ''کما فی البحر عن الخلاصہ'' ان دو باتوں کے بعد انھیں اسے المعتمد الراجح کہنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں تھی، جب ان حضرات کی طرف سے اس کی تلقی ہوگئی، پھر بعد کی کتابوں میں متابعت ایک آسان اور عام بات ہے، حد یہ ہے کہ الدر المختار اور شرنبلالیہ علی الدرر میں بھی خلاصہ کا حوالہ دینے میں بحر ہی کی متابعت کی گئی اور اسی کا حوالہ دیا گیا، خلاصہ کی بھی مراجعت کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی، کتب ظاہر روایت تو اور دور ہیں۔

الغرض خانیہ سے پہلے اس عبارت کا سراغ نہ ملنا اور خانیہ سے پہلے کے فقہاء اور ان کے معاصرین فقہاء کا صرف اس کے مقابل قول ہی پر اکتفاء کرنا، بندہ کے ناقص خیال میں یہ تو صرف قرینہ نہیں بلکہ مستقل دلیل اس بات کی ہے کہ خانیہ میں ظاہر الروایۃ کے الفاظ اس مقام میں ظاہر ہذہ الروایۃ کے معنی میں ہے، کیا ضرورت ہے کہ اس واضح اور جلی معاملے میں حضرتؒ کی طرف تسامح کی نسبت کی جائے۔

(و) فی الحال اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ کی شرح الکافی للشہیدؒ کا نسخہ آیا صوفیہ ترکی میں موجود ہے، جس پر ''المبسوط'' کا عنوان لکھا ہوا ہے، اس کتاب میں لکھا ہے:

وهكذا وهكذا فاشار باصابعه ثم قال الشهر هكذا هكذا وحبس ابهامه ولو ان اهل مصر روالهلال ثلاثين يوما وصام الذى لم يروالهلال تسعة وعشرين يوما فلم تذكر فى الاصل قال بعضهم لاقضا عليهم وقال ابويوسف فى الامالى عليهم القضا ، اما من قال لاقضا عليهم فقد ذهبوا إلى ماروى عن كريب مولى بن عباس انه قال رجعت من الشام فأتيت عبد الله بنع باس وهو بمكة فقال لى متى رأيتهم الهلال فقلت ليلة الجمعة فقال كما رايناه ليلة السبت وصمنا يوم السبت فقلت له الا يكفنى بروية معاوية واصحابه ، فقال : هكذا امرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا راينا الهلال فثبت انه يعتبر دونه كل بلدة واما من قال يجب عليهم القضا لانه اذا ثبت رمضان فى بعض المواضع ثبت فى جميع المواضع ان ذلک اليوم من شهر رمضان فوجب صومه على جميع المسلمين لان اليوم الواحد لا يتبعض ولا يتجزا فلا يجوز ان يكون من رمضان عند بعضهم ومن شعبان عند البعض قال واذا جامع الرجل امراته فى الفرج وعابت الحشفة ولم ينزل فقد وجب عليهم القضا ۔

معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا مسئلہ نفیاً یا اثباتاً کتاب الاصل میں نہیں ہے، حلوانیؒ کے کتب ظاہر الروایہ سے باخبر ہونے کے بارے میں کیا شک ہوسکتا ہے، خاص کر اس مسئلہ کے بارے میں ان کتابوں میں اگر کچھ موجود ہوتا تو اس کا علم انھیں کو زیادہ ہونا چاہئے؛ لیکن وہ کہہ رہے کہ ''الاصل'' میں یہ مسئلہ نہیں ہے اور ''الاصل'' کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ وہ بواسطہ ''الکافی'' کتاب الاصل کی شرح کر رہے ہیں، ورنہ یہ عبارت ظاہر روایت کی کسی اور کتاب میں بھی سرے سے ہے ہی نہیں، اسی لئے جب حلوانیؒ اس مسئلہ کا تذکرہ کرنے لگے تو الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، الزیادات یا السیر کے حوالے سے کچھ نہیں فرمایا، بس نوادر کے طبقے میں اُتر کر الامالی کی عبارت نقل کی۔

اگر غور کیا جائے تو یہی ایک حوالہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے کہ لاعبرۃ والی عبارت ظاہر روایت کی نہیں

ہے؛ لہٰذا کہنا پڑے گا کہ خانیہ میں یہ عبارت اس کے معروف ومصطلح معنی میں مستعمل نہیں ہوا، اتنے حقائق اور قرائن قویہ کے بعد اس بارے میں بندہ کے ناقص خیال میں کوئی تردد رہنا نہیں چاہئے۔

والله تعالى اعلم بالصواب ، والفضل الظاهر إلى
الشيوخ الأكابر عافاهم الله تعالى وأطال بقاءهم ۔

نوٹ:- واضح رہے کہ اصل استفتاء اور تتمہ میں جن کتابوں کا براہ راست حوالہ آیا ہے، وہ مخطوطہ ہوں یا مطبوعہ الحمدللہ ان کے نسخے ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کی ہم نے براہ راست مراجعت کی ہے۔

Islamic Crescents Observation
For the UK (1429/2008)

This document can be obtained from the ICOUK website at www.moonsighting.org.uk